جلد 11، شمارہ 1

جنوری تا جون، 2018

چیلنج

ایڈیٹر: عذرا طلعت سعید

ابھی گرانی شب میں کمی نہیں آئی...

عالمی سطح پر معاشی و سیاسی بحرانات کی شکلیں مزید واضح ہوتی جارہی ہیں۔ عالمگیریت اپنا دائرہ کار بڑھاتی جارہی ہے اور آزاد تجارت اور نجکاری پر مبنی پالیسی سازی معیشت کے ہر پہلو میں نظر آرہی ہے۔ امریکہ اور یورپ کے امیر سرمایہ دار ممالک اور ان کی کمپنیاں پچھلی دہائیوں میں عالمگیریت کے بڑے کھلاڑی رہے ہیں۔ اب اس دوڑ میں چین اور اس کی سرمایہ کار کمپنیاں بھی کسی سے پیچھے نہیں جنہوں نے غیر محسوس طریقے سے منڈی میں ایک مضبوط جگہ بنالی ہے۔

عالمی مالیاتی بینکوں اور ڈبلیو ٹی او کی چال بازیاں عروج پر ہیں۔ عالمی بینک نے موسمی بحران سے نبٹنے کے لیے ایسی پالیسیاں پیش کی ہیں جن کے ذریعے دیوہیکل کمپنیوں کی نت نئی ٹیکنالوجی کو فروغ حاصل ہو۔ غریب ممالک چاہے موسمی بحران کی شدت کا سامنا کررہے ہوں یا نہیں، سب کو بڑھ چڑھ کر ''کلائمٹ اسمارٹ'' ٹیکنالوجی فروخت کی جارہی ہے۔ عالمی بینک پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں زرعی منڈی کو نجکاری اور آزاد تجارت کے اصولوں پر ڈھالنے میں کامیاب ہے۔ جدید زرعی منڈی متعارف کروانے کے لیے پلک جھپکتے کسان دشمن قوانین منظور کردیے گئے اور پاکستان ایگری کلچرل مارکیٹنگ ریگولیٹری اتھارٹی ایکٹ منظور ہوگیا۔ افسوس کہ ہماری حکومت کتنے سستے داموں خود کو ان بینکوں کے پاس گروی رکھ دیتی ہے۔ عالمی بینک سے سود پر حاصل کیے گئے صرف 300 ملین ڈالر قرض کے بدلے زرعی شعبہ میں چھوٹے بے زمین کسان مزدوروں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا ہے۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ ان حکمت عملیوں پر عمل درآمد ان حالات میں کیا جارہا ہے کہ جب صنعتی زراعت کے تحت زہریلے اسپرے اور کھاد کے استعمال کو فروغ دیا جارہا ہے اور کپاس کا جینیاتی بیج بھی پاکستانی زرعی شعبہ اور معیشت میں شدید مسائل پیدا کررہا ہے۔ لاکھوں کسان مہنگے زرعی مداخل کے استعمال اور بے زمینی کے ہاتھوں غربت اور بھوک سے بے حال ہیں لیکن ہمارے حکمرانوں کو کیا فکر! عجب ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو سامراجی ہتھکنڈے سمجھ ہی نہیں آتے یا برطانوی راج کے دور غلامی کی زنجیروں سے آزادی حاصل ہی نہیں کرپائے۔

یہ سامراجی پالیسیاں شاید اب مزید بھیانک شکل اختیار کرلیں۔ دنیا کی چھ دیوہیکل زرعی کمپنیوں میں سے ایک سنجنٹا کو چینی کمپنی کیم چائنہ نے خرید لیا ہے۔ کیم چائنہ جو کہ ایندھن اور کیمیائی اجزاء کی پیداوار میں پیش پیش ہے اب بیج کی منڈی میں بھی کود پڑی ہے۔ حکومت نے ہزاروں ایکڑ زمین چین کو سی پیک منصوبہ کے تحت فراہم کررکھی ہے۔ خبریں گرم ہیں کہ چین پاکستان میں زراعت کے شعبہ میں بھی بڑھ چڑھ کر سرمایہ کاری کرے گا۔ ان حالات میں کیم چائنہ کا سنجنٹا خریدنا پاکستانی زرعی شعبہ کے لیے مزید مسائل پیدا کرسکتا ہے۔

حالات کی سنگینی کے پیش نظر چاہیے تو یہ تھا کہ ہم موسمی بحران، ماحولیاتی آلودگی، بے زمینی اور غربت جیسے گھمبیر مسائل کے لیے خود مختاری کے اصولوں کو اپناتے، مگر ہمارے حکمران ہر مسئلے کے حل کے لیے سامراجی اصولوں پر عمل پیرا ہیں۔ اب فیصلہ عوام کرے کہ منڈی میں بکنا ہے یا پھر ماضی کی تحریکوں سے سیکھتے ہوئے مزاحمت اور جدوجہد کی راہوں پر چلتے ہوئے اپنی عزت و وقار کا تحفظ کرنا ہے۔

فہرست مضامین

حقیقتیں تلخ تلخ! 2	بی ٹی کپاس کی پیداوار 25
بجٹ 2018-19 ایک جائزہ 6	نیولبرل زرعی اصلاحات 32
کیم چائنا کا جائزہ 12	پنجاب ایگریکلچرل مارکیٹنگ 39
سندھ میں ہاری (کسان) جدوجہد 20	بات تو سچ ہے مگر اور رخ زمانہ . 47، 51

چیلنج روٹس فار ایکوٹی (Roots for Equity) نے شائع کیا ہے۔

سیکریٹریٹ: اے۔1، فرسٹ فلور، بلاک 2، گلشن اقبال، کراچی

فون: 0092 21 3481 3320 فیکس: 0092 21 3481 3321

بلاگ: rootsforequity.noblogs.org

حقیقتیں تلخ تلخ!

تحریر: عذرا طلعت سعید

یہ مضمون روٹس فار ایکوٹی کی ایک اور اشاعت ''حال احوال'' میں چھپنے والے تجزیے ''نقطہ نظر'' سے۔ ''حال احوال'' سال میں تین بار چھپتا ہے اور چار چار ماہ کی زرعی خبروں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ خبریں پاکستان کے تین بڑے انگریزی اخباروں سے لی جاتی ہیں جن میں شامل ہیں ڈان، دی ایکسپریس ٹریبیون اور بزنس ریکارڈر۔ اس کے علاوہ دی نیوز سے اتوار کے شمارے سے زراعت سے منسلک خبروں کو بھی ''حال احوال'' میں شامل کیا جاتا ہے۔ ان خبروں پر ایک جائزہ ''نکتہ نظر'' کے عنوان سے حال احوال میں پیش کیا جاتا ہے۔ 2018 سے چیلنج میں ''نکتہ نظر'' کو کچھ ترمیم کے ساتھ حقیقتیں تلخ تلخ'' کے عنوان سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس نئی پیشکش سے عوام تک زرعی معاشی اور اس سے جڑے لاکھوں چھوٹے اور بے زمین کسانوں کے علاوہ ہمارے پورے ملک کے مزدوروں کے حالات پر بہتر معلومات حاصل ہوسکیں گی۔ اس دفعہ کی حاصل کردہ خبروں سے کئی تلخ حقیقتیں سامنے آئے ہیں۔ اس حوالے سے ناصرف پاکستان بلکہ عالمی سطح پر بھوک، پاکستان میں موسمی بحران اور ماحولیاتی آلودگی پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ غیر ملکی امدادی اداروں کا پاکستان میں سرمایہ دارانہ زراعت کو فروغ دینے میں اور ہماری اشرافیہ اور حکومت کے ''تعاون'' پر ایک نظر دوڑائی گئی ہے۔

2017 کی آخر چار ماہ کی خبریں ناصرف پاکستانی عوام بلکہ عالمی سطح پر عوام کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی نشاندہی کررہی ہیں۔ اس کی مثال عالمی سطح پر بھوک بڑھ جانے کی تشویشناک خبر ہے۔ اقوام متحدہ کے خوراک و زراعت کے ادارے ایف اے او کی سالانہ رپورٹ کے مطابق پچھلی دہائی میں بھوک میں مستقل کمی ہونے کے بعد 2016 میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔ دنیا میں 815 ملین (11 فیصد) افراد بھوک کا شکار ہیں اور اس حوالے سے پاکستان بھی ایک شدید متاثرہ ملک ہے۔ پاکستان گلوبل ہنگر انڈیکس میں 119 ترقی پزیر ممالک میں 106 نمبر پر ہے۔کل آبادی کا پانچواں حصہ غذائی کمی کا شکار ہے۔ اس کے علاوہ 45 فیصد بچے غذائی کمی کی وجہ سے نشو و نما میں کمی کا شکار ہیں۔

بھوک میں اضافہ کے علاوہ ایک اور سنگین خبر منظر عام پر آئی ہے۔ اقوام متحدہ میں موسمی تبدیلی پر ہونے والے اجلاس میں سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس سال کاربن کے اخراج میں دو فیصد اضافے کا امکان ہے جو 2015 سے مستحکم چلا آرہا ہے۔ مزید یہ کہ اقوام متحدہ کا خوراک و زراعت کا ادارہ (فاؤ) کے مطابق زراعت، جنگلات اور زمین کے استعمال میں تبدیلی 21 فیصد کاربن گیسوں کے اخراج کی ذمہ دار ہے۔ اس سے جڑی ایک اہم خبر ہے کہ عالمی سطح پر خاص کر ایشیاء پیسفک کے علاقے ماحولیاتی آلودگی کی سنگین حدود کو چھورہے ہیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق اس خطے میں 1990 سے 2012 کے درمیان کاربن کا اخراج دگنا ہوگیا ہے جبکہ معدنیات اور دھاتوں کا استعمال تین گنا بڑھ گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے عالمی ادارہ صحت ڈبلیو ایچ او کے مطابق دنیا کے 30 آلودہ ترین شہروں میں سے 25 شہر ایشیاء میں واقع ہیں۔ اس تناظر میں اگر ہم پاکستان میں آلودگی پر نظر دوڑائیں تو حالات بد سے بدتر ہوتے نظر آرہے ہیں۔ حال احوال کے پچھلے شمارے میں بھی ماحولیاتی آلودگی سے ہونے والے اثرات پر زور دیا گیا تھا اور ان چار ماہ میں بھی مزید ہولناک خبریں نظر آرہی ہیں۔ پینے کے پانی میں قابل قبول حد سے زیادہ سنکھیا، منچھر جھیل میں آلودگی کی وجہ سے 24 اقسام کی مچھلیاں ناپید اور صرف سندھ کے 21 اضلاع (جن میں کراچی شامل نہیں) میں یومیہ ہسپتالوں، صنعتوں اور شہری علاقوں سے 100.45 ملین گیلن آبی فضلہ 755 مقامات سے صاف آبی وسائل میں شامل ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ کراچی کا ایک تہائی ٹھوس فضلہ (تقریباً 12,000 سے 14,000 ٹن) بحیرہ عرب میں جاگرتا ہے۔ پاکستان کے شہروں میں فضائی آلودگی کی سطح دنیا میں سب سے زیادہ آلودگی والے شہروں کے قریب قریب ہے۔ افسوس ہے کہ پاکستان موسمی تبدیلی سے متاثر ہونے والے ممالک کی اولین صف میں شمار کیا جاتا ہے اور حکومت پاکستان کے مطابق وہ اپنے بجٹ کا آٹھ فیصد موسمی تبدیلی سے ہونے والے مسائل پر خرچ کررہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کو چاہے غذائی کمی کے حوالے سے پرکھا جائے یا آلودگی کے حوالے سے یا پھر موسمی تبدیلی سے برپا ہونے والے نقصانات کو دیکھا جائے

تو ملک بدترین صورتحال سے دو چار نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورتحال کا ملکی سطح پر اور عالمی سطح پر کون ذمہ دار ہے اور ان مسائل سے کونسا طبقہ متاثر ہورہا ہے؟

موسمی تبدیلی کے حوالے سے مزید مذاکرات کا آغاز اس سال نومبر میں جرمنی کے شہر بون میں ہوا۔ 1997 میں کیوٹو پروٹوکول کے تحت یہ لازم قرار دیا گیا تھا کہ موسمی تبدیلی کو قابو کرنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک مضر گرین ہاؤسز گیسوں کے اخراج میں 2012 تک کمی کرلیں گے، اس معیاد کو بعد میں مزید بڑھا کر 2020 تک کردیا لیکن بون میں ہونے والے مزاکرات سے واضح تھا کہ ترقی یافتہ ممالک اب تک اپنے کاربن اخراج کو کم کرنے کے لیے تاخیری حربے استعمال کررہے ہیں۔ یعنی امیر سرمایہ دار ممالک ابھی تک اپنی نوآبادیاتی سامراجی سوچ کے تحت تیسری دنیا کے ممالک پر اپنا قبضہ جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال موسمی تبدیلی کے حوالے سے نت نئی ٹیکنالوجیوں کو پاکستانی منڈی میں مہنگے ترین داموں پر متعارف کرنے کے منصوبوں سے واضح ہے۔ کہیں رکازی ایندھن کی جگہ متبادل توانائی پر زور دیا جارہا ہے اور کہیں زراعت کے لیے بیج، آبپاشی کے جدید طریقے اور شمسی توانائی سے ٹیوب ویل چلانے کے طریقے متعارف کیے جارہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی ٹیکنالوجی سے ہمکنار کیا جارہا ہے جو موسم کے لیے نہایت نقصاندہ ہے۔ مثلاً ایسی گائے بھینسوں کو درآمد کرنے کی تجاویز جو کہ ٹھنڈے موسم کی عادی ہوں۔ نئی نئی مشینری اور ترکیب متعارف کروائی جارہی ہیں جو چھوٹے کسانوں کی پہنچ سے دور ہیں۔ اس طرح پیداوار اور منڈی پر قبضہ بڑے سرمایہ داروں اور زمینداروں کا ہوجائے گا۔ چارے کی پیداوار میں اضافہ کے لیے بھی نئے بیجوں کی سفارشات پیش کی جارہی ہیں۔ یاد رہے کہ پاکستان کا عالمی سطح پر کاربن اخراج میں حصہ صرف 0.8 فیصد ہے۔ اس لیے ان امیر ترین سرمایہ دار ممالک کے لیے مہنگی ترین جدید ٹیکنالوجی پاکستان کو فراہم کرنے سے بہتر یہ تھا کہ یہ ممالک اپنی سرحدوں میں کاربن گیسوں کا اخراج کم کرتے نہ کہ پاکستان جیسے قرضے میں ڈوبے ہوئے ملک پر قرض کا مزید بوجھ لادا جاتا۔

اس میں بھی شک نہیں کہ سرمایہ داری نظام سے جڑی ''صنعتی ترقی'' کی وجہ سے ہی ملک کے اندر آبی اور فضائی آلودگی خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے جس سے عوام اور ہمارا ماحولیاتی نظام دونوں بری طرح متاثر ہورہے ہیں۔ شہری زندگی صنعتی ''ترقی'' کے اردگرد خود کو ترتیب دیتی ہے اور صنعتی پیداوار اس آلودگی کی واضح وجہ ہے۔ موسمی تبدیلی نے آلودہ دھند جسے اسموگ کہا جاتا ہے جیسے اثرات چھوڑنے شروع کردیے ہیں۔ جیسے کہ حال احوال کے پچھلے شمارے میں بیان کیا گیا تھا کہ اسموگ کی وجہ سے بڑے پیمانے پر بیماریاں اور حادثات پیش آئے ہیں۔ اب اس پر قابو پانے کے لیے حکام نے فصلوں کی باقیات جلانے پر دفعہ 144 کے تحت پابندی لگادی ہے۔ ہمارے ملک میں انصاف کا دہرا معیار ہے کہ ایک طرف کسانوں پر خلاف ورزی کرنے پر کہیں مقدمے درج کیے گئے ہیں اور کہیں ان کی گرفتاری کی خبریں ہیں۔ ایسا کیوں ہے کہ جب بڑے بڑے کارخانوں نے صنعتی آلودگی جو کہ ہزاروں ٹن سے زیادہ ہے بحیرہ عرب اور صاف آبی وسائل میں خارج کی تو ان پر مقدمے اور گرفتاری کے وارنٹ جاری نہیں کیے گئے؟ دوسری طرف ماحولیاتی بقاء کے لیے ماحولیاتی نظام میں پائی جانے والی تنوع حیات کا بیدردی سے شکار اور اس کو تباہ کیا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ خود وفاقی حکومت نے شاہ بحرین اور ان کے ساتھیوں کو معدومیت کے خطرے سے دوچار تلور کے شکار کے خصوصی اجازت نامے جاری کردیے ہیں۔ اس پرندے کو ناصرف ملکی اور مقامی جنگلی حیات کے قوانین بلکہ عالمی قوانین کے تحت بھی تحفظ حاصل ہے۔ ملک میں ان قوانین کی خلاف ورزیاں ہر سال واقع ہوتی ہیں اور پاکستان بھر میں ماحولیات کی حفاظت کے ضامن چرند و پرند اور نباتات و قدرتی وسائل تباہی کا شکار ہیں۔

سندھ میں 1971 سے لے کر اب تک جنگلات کے رقبے میں 80 فیصد کمی ہوئی ہے۔ دیر، خیبر پختونخوا کے ایک علاقہ سے 300 سے زائد صنوبر اور دیگر اقسام کے درختوں کی غیر قانونی کٹائی کی گئی ہے۔ خبروں کے مطابق حکومتی اداروں کی بے ضابطگیوں، افسرشاہی اور بااثر افراد ہی کی وجہ سے اس قدر بڑے پیمانے پر درختوں کی غیر قانونی کٹائی ممکن ہوسکی ہے۔

اہم ترین نباتات وحیوانات کی بربادی ایک طرف ہے اور ماحول دشمن نباتات اور دیگر منصوبوں کا دانستہ فروغ ایک اور بڑا مسئلہ ہے۔ مثال کے طور پر پورے پاکستان میں اور خاص کر کراچی میں ایک نئی قسم کے درخت کونوکارپس کی بھرپور کاشت کے بعد اس سے جڑے مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اب یہ انکشاف کیا جارہا ہے کہ اس درخت سے صحت پر برے اثرات واضح ہیں۔ اسی طرح سندھ اینگرو کول مائننگ کمپنی نے کوئلے کی کان کنی کے

عمل میں نکلنے والے پانی کو مقامی علاقوں میں بنائے گئے ذخیرے میں خارج کرنے کا عمل شروع کردیا ہے۔ ان ذخائر پر مقامی لوگوں کو شدید خدشات ہیں اس کے باوجود اس عمل کو جاری رکھا جارہا ہے۔ اب وقت بتائے گا کہ اس عمل سے مقامی زراعت اور ماحول پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ملک کے اندر اشرافیہ طبقہ دولت کے حصول اور پرتعیش رہن سہن کے لیے بیدردی سے فضائی، آبی اور ماحولیاتی آلودگی پھیلانے اور ماحولیات میں توازن رکھنے والی بیش بہا تنوع حیات کو تباہ کرنے میں پیش پیش ہے۔ یہی کچھ عالمی سطح پر خاص کر امیر سرمایہ دار ممالک میں بھی ہورہا ہے۔ ملکی اور غیر ملکی اشرافیہ کی دولت کی ہوس ہی عوام کی تباہی کا باعث ہے جو کہ ان چار ماہ کی خبروں سے بالکل واضح ہے۔ ماحولیاتی تباہی سے پسا ہوا مزدور طبقہ ہی متاثر ہورہا ہے جس کے بلبوتے پوری دنیا میں صنعتی اور زرعی پیداوار ممکن ہے اور یہی پیداوار سرمایہ دار اور جاگیردار طبقہ کے لیے بے تحاشہ منافع کے حصول اور دولت کی لوٹ کھسوٹ کو ممکن بناتی ہے۔ مثلاً منچھر جھیل جو نا صرف پاکستان کی میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے بلکہ ایشیاء کی سطح پر بھی بڑی جھیلوں میں شمار کی جاتی ہے، میں بے تحاشہ آلودگی پھیلائی گئی ہے جس کی وجہ سے اس جھیل میں کشتیوں پر بسنے والے مچھیرے جنہیں ''موہنا'' کہا جاتا ہے، اپنے صدیوں پرانے طرز زندگی سے ہاتھ دھونے پر مجبور ہیں۔ موہنا کشتی پر رہنے والے لوگوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق وادی سندھ کی قدیم تہذیب سے ہے۔ منچھر جھیل میں بے تحاشہ آلودگی کے نتیجے میں روزگار کے خاتمے کی وجہ سے موہنا غربت میں دھکیلے جارہے ہیں۔ ان کی کشتیاں ٹوٹتی جارہی ہیں جنہیں وہ برقرار رکھنے سے قاصر ہیں۔ اس طرح یہ قدیم آبادی اپنے رکھ رکھاؤ اور طرز زندگی اور روزگار سب سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔ یہ قدیم آبادی پاکستان کی تاریخ اور ثقافت کا انمول ہیرہ ہے لیکن ہمارے حکمرانوں کو نہ ان کی قدر ہے اور نہ ہی ان کی طرح لاکھوں غربت میں دھکیلی گئی آبادیوں کی آسودہ زندگی کے لیے کوئی فکر ہے۔

صحت سے متعلق شائع ہونے والے تحقیقی جریدے یہ بتا رہے ہیں کہ فضائی آلودگی دنیا میں قبل از وقت موت اور بیماریوں کی سب سے بڑی وجہ ہے اور پاکستان میں 22 فیصد قبل از وقت اموات اسی وجہ سے ہورہی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس مقام پر آج پاکستان اور دیگر ممالک کے عوام کھڑے ہیں اس کی وجہ مجموعی طور پر سرمایہ دارانہ طرز پیداوار اور خصوصاً پچھلے 60-50 سالوں میں اپنائی گئی زرعی اور صنعتی ترقیاتی پالیسیاں ہیں۔ فاؤ کے مطابق 20 ویں صدی کے آخر میں زراعت میں تبدیلی آنا شروع ہوئی جو زیادہ سے زیادہ زرعی مداخل کے استعمال پر منحصر تھی۔ کئی ممالک میں اس طریقہ زراعت کے منفی ماحولیاتی اثرات دیکھے جاسکتے ہیں جن میں جنگلات کی کٹائی، پانی کی کمی اور کاربن گیسوں کا اخراج شامل ہے۔ کمال یہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے مسائل کا اعتراف کرتے ہوئے ساتھ یہ بھی مشورہ دیا جارہا ہے کہ چھوٹے کسان منڈی تک رسائی اختیار کریں اور نئی تکنیک اپنائیں۔ ان ''نئی تکنیکوں'' کے استعمال اور فروغ کے حوالے سے نا صرف پچھلے چار ماہ بلکہ پورے سال کی اخباری رپورٹوں میں بے تحاشہ ذکر ہے۔ مثال کے طور پر امریکی امدادی ادارہ یو ایس ایڈ نے مال مویشی، زراعت میں پیداوار اور چھوٹے کسانوں کی آمدنی بڑھانے کے لیے تحقیق پر دو ملین ڈالر فراہم کیے ہیں۔ آسٹریلیا کی حکومت بھی پیچھے نہیں ہے جس نے معیاری بیج اور کسانوں کی منڈی تک رسائی کے لیے 500,000 آسٹریلوی ڈالر قرضہ فراہم کیا ہے۔ اسی طرح کے کئی منصوبے چین اور جرمنی کی حکومتیں بھی پیش کررہی ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ واضح کردینا چاہیے کہ ان ''نئی تکنیکوں'' کے پرچار کی بنیادی وجہ سرمایہ دار ممالک اور ان کی دیوہیکل کمپنیوں کے منافع کو فروغ دینا ہے۔ منافع کے فروغ کے لیے ہی یہ جدید سرمایہ داری نظام کی نیولبرل یا آزاد تجارت پر مبنی پالیسی سازی ہے جو کہ نجکاری، عوامی بہبود کے لیے براہ راست حکومتی عمل دخل ختم کرنے اور منڈی (یعنی سرمایہ دار طبقہ) کو مکمل اختیارات دینے پر منحصر ہے۔ یہ ساری پالیسیاں اسی لیے زبردستی رائج کی گئی تھیں کہ سرمایہ دار کمپنیوں کو ہماری منڈیوں تک رسائی حاصل ہوسکے۔ گوکہ ان میں سے کئی منصوبے دیگر صوبوں میں بھی لاگو کیے جارہے ہیں لیکن آزاد تجارتی پالیسیوں کو رائج کرنے کے لیے سرمایہ دار ممالک کی خاص توجہ صوبہ پنجاب پر ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ پاکستانی زرعی پیداوار کا سب سے زیادہ حصہ پنجاب سے ہی آتا ہے۔ پاکستان کی کل برآمدات میں سے 75 فیصد حصہ زراعت سے حاصل کیا جاتا ہے جس میں سے 60 فیصد حصہ پنجاب سے حاصل کیا جاتا ہے۔

افسوس یہ ہے کہ سامراجی طاقتوں کے ارادوں سے ہمارے حکمران خوفزدہ نہیں بلکہ نوآبادیات کے دور کی طرح ان کا خیرمقدم کررہے ہیں۔

صوبہ پنجاب کی اشرافیہ غلامی کی ان زنجیروں کو بڑھ چڑھ کر قبول رہی ہے اور صوبے میں تیزی سے جدید صنعتی زراعت کو اپنانے کے لیے پالیسی سازی اور منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔ عالمی بینک نے پنجاب میں زراعت کو جدید بنانے کے لیے 300 ملین ڈالر قرضہ منظور کیا ہے۔ اس قرضے کے تحت اسمارٹ (SMART) منصوبہ شروع کیا جائے گا جس کا ایک مقصد یہ ہے کہ زراعت میں موسمی تبدیلی سے مطابقت کو بہتر بنایا جائے۔ یہ دعویٰ بھی کیا جارہا ہے کہ یہ منصوبہ 350,000 ملازمتیں پیدا کرنے میں اور 1.7 ملین افراد کو غربت سے نکالنے میں کامیاب ہوگا۔ اس کے علاوہ پنجاب حکومت نے 1.8 بلین روپے کی لاگت سے مشینی زراعت کے فروغ کے لیے نجی سرکاری شراکت داری (پبلک پرائیوٹ پارٹنر شپ) کے تحت ٹیکنالوجی کے فروغ کے لیے زرعی مشینری مراکز قائم کیے ہیں۔ کہیں محکمہ زراعت پنجاب گندم کی فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ کے لیے معیاری مفت بیج فراہم کرنے کا انتظام کرے گی اور کہیں خادم اعلیٰ کسان پیکج کے تحت ڈی اے پی کھاد پر زرتلافی دینے کے منصوبے کو وسعت دی جارہی ہے، مفت مال مویشی بانٹے جارہے ہیں۔

پنجاب فوڈ اتھارٹی کے مطابق دالیں، مصالحہ جات، تیل سمیت دیگر خوردنی اشیاء کی کھلی فروخت پر مکمل پابندی عائد کرکے ڈبہ بند اور عمل کاری (پیکنگ اور پروسیسنگ) کی صنعت کے لیے نئی راہیں کھول دی گئی ہیں۔ اتھارٹی کا موقف ہے کہ غیر معیاری اور ملاوٹ شدہ خوراک کی وجہ سے صوبے میں صحت کے حوالے سے مسائل کا سامنا رہتا ہے اور 90 فیصد بیماریاں غیر معیاری خوراک کے استعمال سے ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے اقدامات سے سرمایہ دار صنعتوں کو ہی منڈی پر قبضے کے لیے جگہ دی جائے گی اور چھوٹے کسان اور کم پیمانے پر کاروبار کرنے والے گروہوں کو منڈی سے بے دخل کردیا جائے گا۔ انہی قوانین کی ایک اور کڑی پنجاب ایگری کلچرل مارکیٹنگ ریگولیٹری اتھارٹی ایکٹ کا جاری ہونے والا اعلامیہ ہے جو زرعی کاروبار (ایگری کلچرل مارکیٹنگ) میں بڑے پیمانے پر نجی شعبہ کو شراکت کی اجازت دیتا ہے۔ اس ایکٹ کے تحت منڈی میں وہی کاروباری گروہ داخل ہوسکیں گے جن کے پاس حکومت کی طرف سے جاری کردہ سند ہو۔

جیسے کہ پہلے کہا گیا کہ یہ لمحہ فکریہ ہے کہ امداد کے نام پر قرض فراہم کرنے کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ہر سرمایہ دار حکومت جدید ترین تکنیک اور ٹیکنالوجی پاکستان جیسے قرض میں دھنسے ملک (جس پر اس وقت تقریباً 89 بلین ڈالر قرض ہے) میں غربت دور کرنے، کسانوں کی آمدنی بڑھانے اور روزگار فراہم کرنے کے نام پر دے رہا ہے۔ یہ کوئی نیا عمل نہیں، پاکستان بننے کے بعد سے ہی یہ عمل جاری ہے۔ یہ وہی ٹیکنالوجیاں ہیں جن کے بارے میں فاؤ کا کہنا ہے کہ زراعت میں تبدیلی زیادہ زرعی مداخل کی وجہ سے آئی ہے تو آج پھر سے انہی ٹیکنالوجیوں پر کیوں زور دیا جارہا ہے۔ زہریلی ادویات کے استعمال سے اہم ترین تنوع حیات مثلاً گِدھوں کی اقسام معدومیت کا شکار ہوگئیں ہیں اور انہی زہریلی ادویات کے استعمال کا رجحان بڑھانے والی ٹیکنالوجی کو بھی متعارف کیا جارہا ہے۔ نئی بیجوں کا پرچار کیا جارہا ہے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ یہ بیج کچھ ہی سالوں میں پیداوار دینے سے قاصر ہوجاتے ہیں اور پھر سے حکومت کو سرمایہ دار ممالک سے مہنگے ترین داموں پر بیج اور ان سے منسلک دیگر ٹیکنالوجیوں کو خریدنا پڑتا ہے یعنی ایک طرف حکومتی خزانہ پر شدید بوجھ اور دوسری طرف ماحول کی تباہی۔

شاید ایسے کئی منصوبوں اور پالیسیوں کو سمجھنے کے لیے ایک اور خبر کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ وزارت قومی غذائی تحفظ وتحقیق نیشنل ایگری کلچرل ریسرچ سینٹر میں پلانٹ بریڈرز رائٹس کے تحفظ کے لیے ایک رجسٹری کے قیام کے لیے تگ و دو میں لگی ہے۔ اس رجسٹری کا مقصد بیج کی مختلف اقسام کی تیاری کو فروغ دینے اور ان اقسام کو تیار کرنے والے اداروں یا کمپنیوں کے ان اقسام پر ملکیتی حقوق کو تحفظ دینا ہے۔ یہ رجسٹری تو صرف بیج کی اقسام کے لیے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نیولبرل پالیسی کے تحت امیر سرمایہ دار ممالک ہر طرح کی ٹیکنالوجیوں کی یلغار کررہے ہیں جس میں شمسی توانائی، زرعی مشینری فصلوں پر جراثیم کش ادویات کے چھڑکاؤ اور فصل پر کیڑوں کے حملے اور زمین کی جانچ کے لیے ڈرون سب شامل ہیں۔ یہ ساری ٹیکنالوجی غیر ملکی سرمایہ دار کمپنیاں مہنگے داموں بھاری رائلٹی کی رقم کے ساتھ فراہم کریں گی۔ دوسرے لفظوں میں ہمارا حکمران طبقہ جن میں جاگیردار اور سرمایہ دار کے علاوہ افسر شاہی بھی شامل ہے عوام کے لیے سود مند پالیسی مرتب کرنے کی بنیادی آئینی اور اخلاقی ذمہ داری سے پیچھے ہٹ گئے ہیں۔

ان حالات میں بڑھتی مہنگائی، ماحولیاتی آلودگی اور گہرے ہوتے ہوئے موسمی تبدیلی کے اثرات عوام کے لیے تباہی کا سامان بن گئے ہیں۔

بقیہ صفحہ 19 پر دیکھیں

بجٹ 2018-19: ایک جائزہ

تحریر: ولی حیدر

اس مضمون میں بجٹ 2018-19 کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ خیال رہے کہ بجٹ کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے لکھنا کسی ایک مضمون میں ممکن نہیں، اس لیے راقم نے یہاں چند ضروری پہلوؤں پر قابل غور نکات پیش کیے ہیں۔

وفاقی وزیر برائے خزانہ ڈاکٹر مفتاح اسماعیل نے 27 اپریل، 2018 کو بجٹ پیش کیا۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ عام طور پر بجٹ یکم جون کو پیش کیا جاتا ہے مگر اس دفعہ انتخابات اور رمضان المبارک کے مہینہ کے پیش نظر بجٹ کو تقریباً ایک ماہ قبل یعنی 27 اپریل کو ہی پیش کردیا گیا۔ پچھلے وزیر اسحاق ڈار کی طرح موجودہ وزیر مفتاح اسماعیل بھی اپنی تقریر کے آغاز میں 2013 کا تذکرہ کرنا نہ بھولے (جو پیپلز پارٹی کا دور حکومت تھا) اور کہا کہ ''2013 میں ہمیں ایک تباہ شدہ معیشت ورثے میں ملی۔ ترقی اور سرمایہ کاری کم، جبکہ افراط زر اور مالی خسارہ زیادہ تھا۔ ہمارے زرمبادلہ کے ذخائر تاریخ کی کم ترین سطح پر تھے اور بین الاقوامی سطح پر ہم دیوالیہ ہونے کے قریب تھے''۔[1] پھر انہوں نے اپنی حکومت کی کامیابیوں کی داستان سنائی:[2]

1۔ گزشتہ سال جی ڈی پی میں اضافے کی شرح 5.4 فیصد رہی جو کہ پچھلے 10 برسوں کی بلند ترین شرح ہے۔
2۔ حالیہ سال میں زرعی ترقی کی شرح 3.8 فیصد رہی جو کہ گزشتہ 18 سالوں کی بلند ترین شرح ہے۔
3۔ صنعتی ترقی میں 5.8 فیصد اضافہ ہوا جو کہ گزشتہ دس سالوں میں سب سے زیادہ ہے۔
4۔ خدمات کے شعبے مثلاً آمد و رفت، بینکاری اور خوردہ فروشی میں ترقی کی شرح 6.4 فیصد رہی۔
5۔ اس سال افراط زر 3.8 فیصد رہا۔
6۔ اس سال بجٹ میں مالیاتی خسارہ 5.5 فیصد تک رکھا گیا ہے۔ 2013 میں مالیاتی خسارہ 8.2 فیصد تھا جبکہ گزشتہ بجٹ (2017-18) میں 4.2 فیصد بتایا گیا تھا۔
7۔ جی ڈی پی کے تناسب سے ٹیکس وصولی کی شرح 2012-13 میں 10.1 فیصد تھی جو رواں سال 13.2 فیصد متوقع ہے۔

حالیہ 2018-19 کے بیان کیے گئے بجٹ کے اہم اہداف درج ذیل ہیں:[3]

1۔ جی ڈی پی میں 6.2 فیصد اضافہ۔
2۔ چھ فیصد سے بھی کم افراط زر۔
3۔ جی ڈی پی کے تناسب سے ٹیکس وصولی کی شرح 13.8 فیصد۔
4۔ بجٹ خسارہ کی شرح 4.9 فیصد۔
5۔ حکومتی قرضہ جی ڈی پی کے تقریباً 63.2 فیصد۔
6۔ زرمبادلہ کے زخائر 15 ارب ڈالر۔
7۔ سماجی تحفظ کے منصوبوں میں تسلسل۔

1۔ جی ڈی پی میں 6.2 فیصد اضافہ سے مراد: پیداوار اور خدمات سے حاصل کردہ کل آمدنی میں چھ فیصد اضافہ کرنے سے ہے۔ یاد رہے کہ بجٹ 2015-16 میں کہا گیا تھا کہ اس شرح کو 2017-18 تک سات فیصد تک بڑھایا جائے گا۔

2۔ چھ فیصد سے بھی کم افراط زر سے مراد: مہنگائی چھ فیصد سے زیادہ نہیں ہوگی۔

3۔ جی ڈی پی کے تناسب سے ٹیکس وصولی کی شرح 13.8 فیصد سے مراد: مجموعی ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کے مقابلے میں ملک میں مجموعی ٹیکس کی وصولی کا تناسب ہے۔ کچھ ممالک اپنے بجٹ خسارے کو پورا کرنے کے لیے ٹیکس وصولی میں اضافہ کرتے ہیں۔

4۔ بجٹ خسارہ کی شرح 4.9 فیصد سے مراد: حکومت کی مجموعی آمدنی اور مجموعی اخراجات میں فرق 4.9 فیصد تک لایا جائے گا۔ خیال رہے کہ پچھلے مالی سال میں یہ فرق 4.1 فیصد تک رکھا گیا تھا۔

5۔ زرمبادلہ کے زخائر 15 ارب ڈالر سے مراد: ملک میں غیر ملکی کرنسی

خصوصاً امریکی ڈالر کی موجودگی 15 ارب ڈالر تک پہنچانا ہے۔

6۔ سماجی تحفظ کے منصوبوں میں تسلسل سے مراد: پچھلی حکومتوں میں یا ادوار میں کسی بھی قسم کے سماجی منصوبوں کو تسلسل کے ساتھ جاری و ساری رکھنا تا کہ عوام الناس کو سماجی یا معاشی مسائل سے نمٹنے میں کچھ مدد حاصل ہو۔

آئی ایم ایف کی وسط مدتی معاشی پالیسی کا حوالہ دیتے ہوئے وزیر موصوف نے کہا کہ تسلسل کے تحت اگلے تین سالوں میں مالیاتی خسارہ کم کیا جائے گا۔ سماجی تحفظ کے منصوبوں میں تسلسل کی پالیسی پر محتاط نگاہ رکھی جائے گی اور سرمایہ کاری کے ماحول کو بہتر بناتے ہوئے برآمدات کے فروغ، مالیاتی استحکام اور توانائی کے شعبہ میں اگلے درجہ کی اصلاحات کا آغاز ہوگا۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے بیان کی گئی حکمت عملیاں درج ذیل ہیں۔[4]

الف۔ ٹیکس بیس یعنی ٹیکس دینے والے شعبہ جات یا افراد میں اضافہ اور ٹیکس کی شرح میں کمی کی جارہی ہے۔

ب۔ پسماندہ طبقے کے لیے اقدامات، بینظیر انکم سپورٹ پروگرام (بی آئی ایس پی) کے لیے 125 ارب روپے مختص کرنے کی تجویز، جبکہ مراعات کی مد میں 179 ارب روپے رکھنے کی تجویز ہے۔

ج۔ وزیر اعظم کی نوجوان اسکیم جاری ہے اس مقصد کے لیے 10 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں۔

د۔ پبلک سیکٹر ڈیولپمنٹ پروگرام (پی ایس ڈی پی) کے ذریعے 230 ارب روپے کی اضافی رقم خود مختار اداروں، پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ یعنی نجی سرکاری شراکت داری اور دیگر ذرائع سے مہیا کی جائے گی۔

بجٹ تفصیلات

مالی سال 2018-19 کا مجموعی بجٹ 5,932.5 بلین روپے (تقریباً 6,000 ارب روپے) کا ہے جبکہ مجموعی آمدنی کا تخمینہ 4,917 بلین روپے (تقریباً 4,500 ارب روپے) لگایا گیا ہے۔ اس طرح بجٹ کا مجموعی خسارہ تقریباً 1,015 ارب روپے سے زیادہ کا ہے۔

جدول1: آمدنی کا تخمینہ

شعبہ	رقم (ملین روپے)	فیصد
ٹیکس	3,070,439 (3,070 ارب روپے)	51.8
بیرونی ذرائع	1,118,024 (1,118 ارب روپے)	18.8
صوبوں کی بچی ہوئی رقم	285,604 (285 ارب روپے)	4.8
سرمایہ کاری	443,096 (443 ارب روپے)	7.5
نجکاری		
بینکوں سے قرضے	1,015,302 (1015 ارب روپے)	17.1
کل	5,932,464 (5,932 ارب روپے)	100

Source: Federal Budget 2018-19, Budget in Brief, April, 2018, Government of Pakistan Finance Division Islamabad, page 8.

جدول1 سے پتہ چلتا ہے کہ ٹیکس کی مد میں صوبوں کے ٹیکس کا حصہ نکال کر 3,070.4 ارب روپے کی آمدنی کا تخمینہ لگایا گیا ہے جو کہ مجموعی بجٹ کا 51.8 فیصد ہے۔ ٹیکس کے حوالے سے یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمیشہ کی طرح حکومت نے براہ راست ٹیکسوں کی وصولی کے علاوہ بالواسطہ ٹیکس کی وصولی پر زور دینے کی روایت برقرار رکھی۔ براہ راست ٹیکس کی مد میں 1,735 ارب اور بالواسطہ 2,700 ارب روپے کی وصولی کا اندازہ لگایا گیا ہے اور کسے نہیں پتہ کہ بالواسطہ ٹیکسوں کا بوجھ کسٹم ڈیوٹی، سیلز ٹیکس اور وفاقی ایکسائز ڈیوٹی کی شکل میں عوام الناس پر ہی پڑتا ہے اور روز مرہ استعمال کی اشیاء انتہائی مہنگی ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے پسماندہ طبقات کے لیے بہتر زندگی گزارنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ حکومت کو چاہیے تھا کہ کاروباری طبقہ اور اشرافیہ پر براہ راست ٹیکس لگا کر خاطر خواہ آمدنی حاصل کی جاتی مگر شائد عوامی فلاح حکومت کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

آمدنی کے تخمینہ کے بارے میں مزید تفصیلات کچھ اس طرح ہیں کہ گزشتہ مالی سال 2017-18 میں صوبوں کے لیے جو رقم مختص کی گئی تھی اس میں سے بچی ہوئی رقم کو پھر سے آمدنی کے زمرے میں لکھا گیا ہے جو کہ تقریباً 2,85 ارب روپے ہے اور یہ مجموعی آمدنی کا تقریباً 4.8 فیصد ہے۔ بیرونی ذرائع سے تقریباً 1,118 ارب روپے کی وصولی کا اندازہ لگایا گیا ہے جو مجموعی بجٹ کا 18.8 فیصد ہے۔

جدول 2: اخراجات کا تخمینہ

شعبہ	رقم (ملین روپے)	فیصد
جاری اخراجات	4,780,359 (4,780 ارب روپے)	80.5
مجموعی ترقیاتی اخراجات	1,152,105 (1152 ارب روپے)	19.4
کل	5,932,464 (5,932 ارب روپے)	100

Source: Federal Budget 2018-19, Budget in Brief, April, 2018, Government of Pakistan Finance Division Islamabad, page 8.

جدول2 سے پتہ چلتا ہے کہ بجٹ 2018-19 کے مجموعی اخراجات کا تخمینہ 5,932 ارب روپے لگایا گیا ہے جسے دو شعبوں میں بانٹا گیا ہے، پہلا جاری اخراجات اور دوسرا ترقیاتی اخراجات۔ جاری اخراجات کے لیے تقریباً 4,780 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں جو کہ مجموعی اخراجات کا تقریباً 80.5 فیصد ہے۔ جبکہ ترقیاتی اخراجات کے لیے 1,152 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں جو مجموعی اخراجات کا تقریباً 19.4 فیصد ہے۔

جدول 2a: جاری اخراجات

شعبہ	رقم (ملین روپے)	فیصد
عمومی عوامی خدمات	3,340,431 (3,340 ارب روپے)	69.87
دفاعی شعبہ اور خدمات	1,100,334 (1,100 ارب روپے)	23.01
امن و عامہ اور حفاظتی شعبہ	132,289 (132 ارب روپے)	02.76
معاشی شعبہ	80,750 (80 ارب روپے)	1.68
ماحولیاتی تحفظ	1,261 (1 ارب روپے)	0.026
رہائشی اور علاقائی خدمات	2,339 (2 ارب روپے)	0.048
صحت اور خدمات	13,897 (14 ارب روپے)	0.290
مذہب، ثقافت اور تفریح	9,242 (9 ارب روپے)	0.193
تعلیم اور خدمات	97,420 (97 ارب روپے)	2.03
سماجی تحفظ	2,396 (2 ارب روپے)	0.05
کل اخراجات	4,780,359 (4,780 ارب روپے)	100

Source: Federal Budget 2018-19, Budget in Brief, April, 2018, Government of Pakistan Finance Division Islamabad, page 24.

جاری اخراجات کی تفصیلات جدول 2a میں پیش کی گئی ہیں۔ جدول 2a سے پتہ چلتا ہے کہ کل جاری اخراجات کا 69.87 فیصد صرف عمومی عوامی خدمات کے لیے مختص کیا گیا ہے جس کی تفصیلات جدول 2b میں درج ہیں۔ جاری

خدمات کے حوالے سے قابل ذکر بات پھر وہی ہے کہ ہمیشہ کی طرح صحت اور تعلیم کے لیے انتہائی کم رقم مختص کی گئی ہے۔ صحت کے لیے تقریباً 14 ارب روپے جو مجموعی جاری اخراجات کا صرف 0.29 فیصد ہے اور تعلیم کے لیے 97 ارب روپے جو مجموعی بجٹ کا 2.03 فیصد ہے، مختص کیے گئے ہیں۔ اس طرح صحت اور تعلیم دو انتہائی اہم شعبہ جات کے لیے دو ڈھائی فیصد سے بھی کم رقم مختص کی گئی ہے۔ یاد رہے پچھلے مالی سال 2017-18 میں ان شعبہ جات کے لیے 0.3 فیصد سے کم رقم مختص کی گئی تھی۔ اس کے برعکس دفاعی اخراجات کے لیے تقریباً 1,100 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں جو مجموعی جاری اخراجات کا تقریباً 23.01 فیصد ہے۔ آیئے اب عمومی عوامی خدمات کے لیے مختص اخراجات کا جائزہ لیتے ہیں۔

جدول 2b: عمومی عوامی خدمات

شعبہ	رقم (ملین روپے)	فیصد
سالانہ الاؤنس اور پنشن	342,000 (342 ارب روپے)	10.23
بیرونی قرضوں کی سہولیات/خدمات	229,230 (229 ارب روپے)	6.86
بیرونی قرضوں کی واپسی	601,754 (601 ارب روپے)	18.01
اندرونی قرضوں کی واپسی/سہولیات	1,391,000 (1,391 ارب روپے)	41.64
دیگر	2,17,329 (2,17 ارب روپے)	6.50
بیرونی معاشی امداد	4,762 (4 ارب روپے)	0.14
بشمول صوبوں کو منتقلی	477,924 (477 ارب روپے)	14.30
عمومی خدمات	7,027 (7 ارب روپے)	0.21
بنیادی تحقیق	5,438 (5 ارب روپے)	0.16
عمومی عوام کی ترقی کے لیے تحقیق	13,072 (13 ارب روپے)	0.39
عمومی عوامی خدمات کے لیے انتظامی اخراجات	2,531 (2 ارب روپے)	0.07
عمومی عوامی خدمات جو کہیں اور نہیں	48,365 (48 ارب روپے)	1.44
کل	2,553,633 (2,553 ارب روپے)	100

Source: Federal Budget 2018-19, Budget in Brief, April, 2018, Government of Pakistan Finance Division Islamabad, page 25.

جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ عمومی عوامی خدمات کے لیے تقریباً 3,340 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں جو جاری اخراجات کا تقریباً 69.87 فیصد ہے۔ عمومی عوامی خدمات کے لیے مختص کردہ رقم میں سے سب سے زیادہ رقم تقریباً 14

ارب روپے صرف اندرونی قرضوں کی واپسی کی مد میں مختص کیے گئے ہیں جو کہ مجموعی عمومی عوامی خدمات کا 41 فیصد ہے۔ بیرونی قرضوں کی واپسی کے لیے تقریباً 601 ارب مختص کیے گئے ہیں جو مجموعی عمومی عوامی اخراجات کا 18 فیصد ہے۔ اس کے علاوہ پینشن اور سالانہ مراعات کے لیے تقریباً ساڑھے تین ارب روپے مختص کیے گئے ہیں جو مجموعی عمومی عوامی اخراجات کا تقریباً دس فیصد ہے۔

بجٹ کے دوسرے بڑے شعبہ ترقیاتی اخراجات کے لیے تقریباً 1,152 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں جو مجموعی اخراجات کا تقریباً 19 فیصد ہے اور صفحہ 8 پر درج ہے۔ مگر اس کی تفصیلات میں جو رقوم درج کی گئی ہیں، اس کے مطابق 1,650 ارب روپے رکھے گئے ہیں جو کہ صفحہ نمبر 44 پر درج ہے۔ یہ غلطی سے ہوا ہے یا پھر کوئی اور معاشی خرچ ہے، اس کی وضاحت نہیں ہے۔

بجٹ میں شامل چند بڑے ترقیاتی منصوبوں مثلاً توانائی، شاہراہوں اور صحت کے بارے میں تفصیلات یہاں بیان کی جارہی ہیں۔ وفاقی ترقیاتی اخراجات کا بیشتر حصہ انفرا اسٹرکچر یعنی بنیادی ڈھانچہ، توانائی اور صحت کے لیے مختص کیا گیا ہے جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

توانائی کے منصوبے

بجٹ 2018-19 کے دوران بجلی کے منصوبوں پر 138 ارب روپے کی سرمایہ کاری تجویز کی گئی ہے۔ تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ 27.5 ارب روپے کی لاگت سے جامشورو سندھ میں 600MW کے کوئلہ سے بجلی حاصل کرنے والے دو منصوبے (Coal Fired Power Projects) لگائے جائیں گے۔

2۔ خیبر پختونخواہ کے ضلع کوہستان میں داسو پن بجلی منصوبہ (Dasu Hydro Power Project) کی تعمیر کے پہلے مرحلے کے لیے 76 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں۔

3۔ نیلم جہلم پن بجلی منصوبہ کے لیے 32.5 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں۔

4۔ تربیلا چوتھے توسیع (4th Extention) پن بجلی منصوبے کے لیے 13.9 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں۔

شاہراہوں کی تعمیر کے منصوبے

اس شعبہ کے بڑے منصوبے مندرجہ ذیل ہیں:

- خضدار۔ شہداد کوٹ موٹر وے
- 230 کلومیٹر لاہور۔ ملتان موٹروے
- 62 کلومیٹر گوجرہ۔ شورکوٹ موٹروے
- 64 کلومیٹر شورکوٹ۔ خانیوال موٹروے
- 91 کلومیٹر سیالکوٹ۔ لاہور موٹروے
- 57 کلومیٹر ہزارہ موٹروے

صحت

1۔ وزیر اعظم قومی صحت پروگرام کا اجراء کیا گیا جس کے تحت 30 لاکھ خاندانوں کو 41 اضلاع میں سرکاری اور نجی ہسپتالوں سے صحت کی معیاری سہولیات بالکل مفت فراہم کی جارہی ہیں۔

2۔ اس پروگرام کا دائرہ ملک کے تمام اضلاع تک پھیلایا جارہا ہے۔ اس پروگرام سے پائیدار ترقیاتی اہداف اور عوام کے لیے تمام ترطبی سہولیات (Universal Health Coverage) کے اہداف کے حصول میں مددمل رہی ہے۔

3۔ قومی ادارہ صحت میں ویکسین یعنی حفاظتی ٹیکہ جات کی تیاری کو عالمی معیار سے ہم آہنگ کیا گیا اور عرصہ سے غیر فعال ویکسین کی تیاری کو بحال کیا گیا۔

4۔ صحت کے شعبہ میں مستند اعداد و شمار کی پالیسی سازی میں اہمیت کو

سامنے رکھتے ہوئے وفاقی سطح پر عالمی معیار کا ڈیش بورڈ (Dasboard) یعنی اعداد و شمار، تجزیہ اور دیگر معلومات کو محفوظ رکھنے کا بندوبست کیا گیا۔

5۔ عالمی معیار کے مطابق ہر دو سے تین سال کے وقفہ سے صحت کا مروجہ سروے کرایا جائے گا۔

زراعت، ڈیری اور پولٹری شعبہ کے لیے سہولیات

الف۔ افزائش نسل کے لیے بیلوں کی درآمد پر عائد تین فیصد کسٹم ڈیوٹی واپس لے لی جائے۔

ب۔ اس وقت مال مویشی شعبہ میں استعمال ہونے والے چارے کی درآمد پر کسٹم ڈیوٹی کی موجودہ رعایتی شرح کو دس فیصد سے مزید کم کر کے پانچ فیصد کرنے اور ڈیری فارمز میں استعمال ہونے والے پنکھوں کو کارپوریٹ ڈیری ایسوسی ایشن کے ارکان کو تین فیصد کی رعایتی شرح پر فراہم کرنے کی تجویز ہے۔ پولٹری شعبہ کے حوالے سے وٹامن بی 12 (feed grade)، وٹامن پریمکس، گروتھ پرومیٹرس پریمکس اور وٹامن ایچ 2 (feed grade) کی درآمد پر موجودہ کسٹم ڈیوٹی کی رعایتی شرح کو پولٹری فیڈ کے اندراج شدہ پیداوار کرنے والوں کے لیے دس فیصد سے مزید کم کر کے پانچ فیصد کرنے کی تجویز ہے۔

پیداواری شعبہ کے لیے سہولیات

i۔ اسٹک تیزاب (Acetic Acid) مقامی طور پر نہیں بنایا جاتا جبکہ یہ خوراک کے شعبے اور کئی دیگر صنعتوں میں کثرت سے خام مال کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ تجویز دی جاتی ہے کہ اسٹک تیزاب پر کسٹم ڈیوٹی 20 فیصد سے کم کر کے 16 فیصد کر دی جائے۔

ii۔ مقامی صنعت کی ترقی کے لیے یہ تجویز دی جاتی ہے کہ پلاسٹر کی درآمد پر کسٹم ڈیوٹی 16 فیصد سے کم کر کے 11 فیصد کر دی جائے کیونکہ پلاسٹر آف پیرس طبی شعبہ میں کام آتی ہے۔

iii۔ کاربن بلیک ربر گریڈ جو کہ ٹائر بنانے میں خام مال کے طور پر استعمال ہوتا ہے 20 فیصد کسٹم ڈیوٹی کی شرح پر برآمد کیا جاتا ہے۔ یہ تجویز دی جاتی ہے کہ کاربن بلیک ربر گریڈ پر کسٹم ڈیوٹی کی شرح 20 فیصد سے کم کر کے 16 فیصد کر دی جائے۔

iv۔ اس وقت سیلیکون الیکٹریکل اسٹیل شیٹ ٹرانسفارمز بنانے کے لیے دس فیصد کسٹم ڈیوٹی کے رعایتی نرخوں پر درآمد کی جاتی ہے۔ بجلی کے نظام کو بہتر کرنے کے لیے اور مقامی پیداواری لاگت کو کم کرنے کے لیے یہ تجویز دی جاتی ہے کہ سیلیکون الیکٹریکل اسٹیل شیٹ ٹرانسفارمز پر کسٹمز ڈیوٹی کے دس فیصد کے رعایتی نرخوں کو مزید کم کر کے پانچ فیصد کر دیا جائے۔

تجزیہ

کسی ملک کے وفاقی بجٹ کا تقریباً 37 فیصد قرضوں کی واپسی و سہولیات اور تقریباً 18 فیصد دفاع کے لیے خرچ ہو رہا ہو تو اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ باقی بچی ہوئی آدھی رقم سے قوم کے لیے کیا حاصل کیا جاسکتا ہے؟

دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے پاکستانی عوام کے لیے آنے والے مالیاتی سال بھی کوئی خوشی کی نوید نہیں کیونکہ خود مختار حکومتیں اپنی ترجیحات اپنی عوام کی فلاح و بہبود مثلاً تعلیم، صحت، روزگار اور سماجی ترقی کے دیگر منصوبوں پر خطیر رقم خرچ کرتی ہیں تا کہ قوم خوشحال ہو اور ملک ترقی کرے۔ اس بجٹ میں ایسا کچھ نہیں ہے۔

انتہائی افسوسناک بات ہے کہ صحت اور تعلیم جیسے انتہائی اہم شعبے جو کہ کسی ملک کے عوام کے لیے سب سے اہم سمجھے جاتے ہیں کے لیے موجودہ حکومت کے پاس کچھ نہیں اور شرمناک حد تک انتہائی قلیل رقم جو مجموعی بجٹ کا تقریباً تین فیصد بنتا ہے مختص کی گئی ہے۔ صرف صحت اور تعلیم کے اعداد و شمار ہی بجٹ کی مجموعی صورتحال کی عکاسی کرتے ہیں۔ صحت کے حوالے سے بجٹ پیش کرنے کے دوران جو معلومات فراہم کی گئیں ان میں سے صرف پہلے نقطے کے تحت یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہت ہی چھوٹے پیمانے پر یعنی صرف 1.5 فیصد عوام کے لیے طبی سہولیات فراہم کی گئیں ہیں۔ باقی معلومات تو صرف عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ لگتا ہے کہ

موجودہ حکومت شاہراہوں کی تعمیر اور توانائی کی پیداوار میں اتنی مگن ہے کہ اسے عالمی اداروں کی جانب سے پاکستانی عورتوں اور بچوں کی صحت کے نازک صورتحال کو بہتر بنانے کی نافرصت ہے اور نا ہی فکر۔ ایک خبر کے مطابق زچگی کے دوران مرنے والی عورتوں کی تعداد کے حوالے سے پاکستان دنیا میں تیسرے نمبر پر ہے جبکہ خبر میں عورتوں اور بچوں میں پائی جانے والی شدید غذائی کمی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔[5] ایک اور رپورٹ کے مطابق تقریباً 76 فیصد پاکستانی نوجوان معاشی مجبوریوں کی وجہ سے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔[6]

ترقیاتی اخراجات میں بنیادی ڈھانچہ اور سڑکوں کی تعمیر کا مقصد ملک کی ترقی سے زیادہ سرمایہ داری کو فروغ دینا ہوتا ہے۔ مثلاً سڑکوں کی تعمیر سے کاروبار و تجارت میں اضافے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں، کاروباری افراد اور اداروں کی آمد و رفت میں سہولت ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ خام مال اور تیار اشیاء کی ترسیل میں بھی آسانی ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں نجی شعبے کو نہ صرف مقامی منڈیوں میں قدم جمانے اور قبضہ کرنے کے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں بلکہ کم قیمت خام مال تک رسائی بھی ممکن ہو جاتی ہے۔

حد تو یہ ہے کہ مزدوروں کے لیے کم سے کم تنخواہ کا حالیہ بجٹ میں ذکر تک نہیں۔ یاد رہے کہ پچھلے بجٹ میں کم از کم ماہانہ تنخواہ 15 ہزار روپے کا اعلان کیا گیا تھا۔ گوکہ اس ملک کے زیادہ تر سرمایہ دار اور آجر مزدوروں کو ان کا جائز حق نہ دیتے ہوئے کم سے کم ماہانہ تنخواہ پر عمل درآمد نہیں کرتے۔ مگر اسی بجٹ میں سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں دس فیصد اضافے کا اعلان کیا گیا ہے۔[7] ضرورت اس امر کی تھی کہ پیداواری صنعت میں کام کرنے والے مزدوروں کے لیے بڑھتی ہوئی مہنگائی کو سامنے رکھتے ہوئے مراعات اور مالی وسائل مختص کیے جاتے۔ مگر حکومت کی پیداواری شعبوں کے بجائے غیر پیداواری شعبوں میں زیادہ دلچسپی نظر آتی ہے۔

پیداواری شعبوں کی تباہی کی ایک مثال پاکستانی برآمدات میں سال بہ سال کمی ہے جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ پاکستانی معیشت اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے بجائے کمزور ہورہی ہے۔ برآمدات کے مقابلے میں ہماری درآمدات کہیں زیادہ ہیں جس کے نتیجے میں ہم خطیر بجٹ خسارے کا شکار رہتے ہیں۔ برآمدات کے برعکس درآمدات بڑھتی جارہی ہیں اور سونے پر سہاگہ یہ بجائے اس کے کہ درآمدات پر بھاری سے بھاری محصولات عائد کرتے ہوئے آمدنی حاصل کی جاتی، ڈبلیو ٹی او کی آزاد تجارتی پالیسیوں کے تحت درآمدی محصولات انتہائی کم کردیے گئے ہیں جس سے غیر ملکی بین الاقوامی کمپنیاں خطیر منافع حاصل کررہی ہیں، ساتھ ہی ساتھ ملک کا تاجر طبقہ مستقل کسٹم ڈیوٹی اور دیگر محصولات کو کم کرنے کا مطالبہ زور و شور سے کرتا ہے اور ہماری حکومت سامراج کی بتائی گئی آزاد تجارت کی پالیسیوں کو اپناتے ہوئے لاگو بھی کردیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی حکمران گزشتہ کئی دہائیوں سے آئی ایم ایف کے مرحون منت اپنی معیشت چلا رہے ہیں۔ جب تک ملک کی معیشت مزدور طبقہ کے زیر اثر پیداواری صنعت پر کھڑی نہیں ہوگی جہاں مزدور طبقہ کا استحصال نہ ہو تب تک ایک پائیدار اور خودمختار معیشت ناممکن ہے۔

پاکستانی معیشت اور پاکستانی عوام کے حالات یہ تقاضہ کرتے ہیں کہ حکمران آزاد تجارت کے فروغ کے بجائے اپنی ملکی معیشت کو استحکام دینے کے لیے ایک خود مختار تجارتی اور معاشی پالیسی اپنائیں جو کہ عالمی مالیاتی ادارے مثلاً آئی ایم ایف، عالمی بینک اور ڈبلیو ٹی او کے دباؤ کے تحت نہ ہو۔ یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ اپنی کروڑوں عوام کو جہالت، بے روزگاری، غربت، بھوک اور استحصال میں دھکیل کر مٹھی بھر ملکی اور غیر ملکی اشرافیہ کے مفادات کو تحفظ دیا جائے۔

حوالہ جات

1۔ بجٹ تقریر، ڈاکٹر مفتاح اسماعیل، وفاقی وزیر برائے خزانہ، مالیات اور اقتصادی امور، 27 اپریل، 2016، صفحہ 2۔ Accessed from http://www.finance.gov.pk/budget/budget_speech_urdu_2018_19.pdf

2۔ ایضاً، صفحہ 4-5۔

3۔ ایضاً، صفحہ 11۔

4۔ ایضاً، صفحہ 12۔

5. Daily Nation. "Poor women health." Daily Nation. February 16, 2018. Accessed from https://nation.com.pk/16-Feb-2018/poor-women-health?show=previewutm_medium=Politic?version=amp

6. Wasif, Sehrish. "76% Pakistan youth drop out of education: UNDP." Express Tribune. May 2, 2018. Accessed from https://tribune.com.pk/story/1701028/1-76-pakistan-youth-drop-education-undp/

7. Siddiqui, Salman. "Minimum wage matter left 'untouched' in budget announcement." Express Tribune. May 5, 2018. Accessed from https://tribune.com.pk/story/1702629/2-minimum-wage-matter-left-untouched-budget-announcement/

کیم چائنا کا جائزہ

تحریر: محمد مجتبیٰ

ابتدائیہ

گزشتہ سالوں میں ہمیں بہت بڑے بڑے انضمام دیکھنے کو ملے جیسے کہ ڈوپونٹ اور ڈاؤ کمپنی کا ایک ہوجانا اور مونسانٹو اور بائیر کمپنی کا آپس میں ضم ہوجانے پر رضامندی۔ یہ چاروں کمپنیاں زرعی کیمیائی کاروبار میں دنیا کی چھ بڑی کمپنیوں میں سے ہیں۔ ان چاروں کمپنیوں کی تاریخ کئی دہائیوں (سو، دو سو سال) پر محیط ہے۔ اسی اثناء میں ایک اور انضمام سنجنٹا کمپنی، انہیں چھ بڑی کمپنیوں میں سے ایک، کا کیم چائنا کمپنی کے خریدے جانے سے منظر عام پر آیا۔ اس انضمام کے ساتھ کیم چائنا کمپنی خاص طور پر زرعی کاروبار میں عالمی سطح پر نمایاں ہوئی۔ زیرغور مضمون میں کیم چائنا کمپنی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

کیم چائنا

گزشتہ شمارے میں شائع ہونے والے مضامین میں جن کمپنیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے زیرغور لایا گیا ان کا تعلق امریکہ اور یورپ کے ممالک سے تھا۔ خیال بھی یہی تھا کہ آئندہ بھی جن کمپنیوں کو زیر بحث لایا جائیگا ان کا تعلق بھی امریکہ یا یورپ کے ممالک سے ہی ہوگا کیونکہ عالمی منڈی میں عمومی طور پر ان ہی دو خطّوں کی کمپنیاں چھائی ہوئی ہیں۔ لیکن حالیہ تبدیل ہوتی ہوئی صورتحال میں ضروری ہوگیا تھا کہ چین کی سرکاری کمپنی چائنا نیشنل کیمیکل کارپوریشن (کیم چائنا) کا بھی تجزیہ کیا جائے کیونکہ حال ہی میں کیم چائنا نے سنجنٹا کمپنی کو خریدا ہے۔ اس حساب سے یہ کمپنی اب زرعی کیمیائی کاروبار میں بہت اہمیت کی حامل ہوگئی ہے۔

تعارف

چائنا نیشنل کیمیکل کارپوریشن (کیم چائنا) چین کی سب سے بڑی کیمیائی اشیاء بنانے والی ایک سرکاری کمپنی ہے جو کہ گلوبل فارچیون کی عالمی درجہ بندی میں 211 نمبر پر ہے۔ کمپنی کے تقریباً 160,000 ملازم ہیں جن میں سے 83,000 بیرون چین سے تعلق رکھتے ہیں۔ کمپنی اپنی پیداوار، تحقیق اور تشہیری جال (مارکیٹنگ نیٹ ورک) کی بنیاد پر دنیا کے 150 ممالک اور خطوں میں کام کررہی ہے جو کہ چھ کمپنیوں، چار متعلقہ یونٹ اور 92 پیداواری اور آپریشنل انٹرپرائزز پر مشتمل ہے۔ یہ کمپنی سات ایسی کمپنیوں کو بھی قابو کرتی ہے جو کہ چین کی اے - حصص منڈی (A-Share Market) میں اندراج شدہ ہیں۔ ساتھ ہی دس بیرون ملک ذیلی کمپنیوں کے ساتھ ساتھ 26 تحقیق اور ڈیزائننگ اداروں کو بھی چلاتی ہے۔ سال 2016 تک کمپنی نے 10,800 پیٹنٹ اپنے نام کروالیے تھے جس میں سے 76 فیصد نئی ایجادات پر مشتمل تھے۔ 2016 میں کمپنی کے اثاثہ جات تقریباً 378,000 ملین یوآن (تقریباً 59,000 ملین امریکی ڈالر) تھے جبکہ فروخت کا حجم 300,000 ملین یوآن (47,000 ملین امریکی ڈالر) تھا۔[1] [1 یوآن = 0.16 امریکی ڈالر]۔

تاریخ

واضح رہے کہ کیم چائنا ایک سرکاری کمپنی ہے جو کہ سرکار کی تحویل میں ہے اور رن جیانژن (Ren Jianxin) جو کہ بلیو اسٹار کمپنی کے بانی و مالک تھے، کیم چائنا کے چیئرپرسن اور بلیو اسٹار کمپنی کے ڈائریکٹر جنرل ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر اداروں میں بھی نمایاں عہدوں پر فائز ہیں۔ 1984 میں رن جیانژن نے محلول بنانے والی ایک کمپنی بلیو اسٹار کمپنی کی بنیاد رکھی جو کہ 2004 میں کیم چائنا کمپنی کے وجود کی وجہ بنی۔ اپریل 2004 کو کیم چائنا نے صنعتی اور تجارتی اندراج مکمل کر کے کاروباری لائسنس حاصل کیا اور مئی میں باقاعدہ طور سے اپنے کام کا آغاز کیا۔[2] بلیو اسٹار کمپنی بھی اب کیم چائنا کی ذیلی کمپنی کے طور پر کام کرتی ہے جس کی اپنی بھی کئی ذیلی کمپنیاں ہیں۔ اس کی ایک مثال 1966 میں قائم ہونے والی بیجنگ کیمیکل مشینری ورکس کی ہے جو کہ 1998 میں چائنا بلیو اسٹار (گروپ) کارپوریشن کی سو فیصد ذیلی کمپنی بنتے ہوئے بلیو اسٹار (بیجنگ) کیمیکل مشینری کمپنی لمیٹڈ بن گئی۔[3] اس کے علاوہ جلد ہی کیم چائنا کمپنی نے کیمیائی مادے بنانے والے سو سے زائد

چھوٹے سرکاری کارخانوں کو خرید کر اپنا حصہ بنا لیا تھا۔[4]

سال بسال جھلکیاں

مندرجہ ذیل کمپنی کی تاریخ کے چند انتہائی اہم نکات پیش کیے جا رہے ہیں جو کمپنی کے ارتقاء اور اس کی کاروباری روش پر واضح روشنی ڈالتے ہیں:

2004 : ایک لاکھ ٹن سالانہ سیلیکون کی پیداوار دینے والے منصوبے کی بنیاد رکھی گئی۔[5]

2005: سیفٹی پروڈکشن لائسنس حاصل کرنے والی چین کی پہلی کمپنی بن گئی۔[6]

2006: کیم چائنا نے انفارمیٹائیزیشن پلاننگ پروجیکٹ کا آغاز کیا۔ ساتھ ہی کیم چائنا اور اٹاس اوریجن (Atos Origin) نے انفارمیشن ٹیکنالوجی پلاننگ کو آپریشن کے معاہدے پر دستخط کیے۔[7]

2007: رن جیانژن، جنرل منیجر کیم چائنا، نے انجیما ایشیا ایگزبیشن (Achema Asia Exhibition) میں تقریر کرتے ہوئے نئے کیمیائی مادوں کی صنعت میں جدت اور تعاون کے بڑھانے کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ کیم چائنا کمپنی نے دی بلیک اسٹون گروپ (The Blackstone Group) کے ساتھ شراکت داری قائم کی۔ بلیک اسٹون گروپ ایک امریکی نجی سرمایہ کاری کا ادارہ ہے جو کہ متبادل سرمایہ کاری (alternative investment) یعنی کہ حصص منڈی (اسٹاک ایکسچینج) کے علاوہ دیگر انمول قیمتی اشیاء و نوادرات پر سرمایہ کاری کرتی ہے۔ کیم چائنا کمپنی نے کاربن کے صفر اخراج اور ماحول دوست حکمت عملی کے تصور کو نئی سائنسی ترقی کے لیے تجویز کیا۔[8]

2008: دی بلیک اسٹون گروپ نے بلیو اسٹار میں 600 ملین امریکی ڈالر کی سرمایہ کاری کر کے 20 فیصد کمپنی اپنے نام کر لی۔[9]

2010: کیم چائنا اور ناروے کی اورکلا گروپ (Orkla Group) نے اوسلو، ناروے میں تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے۔ فرانسیسی صدر نے رن جیانژن کو تمغہ (ایوارڈ) دینے کے سرکاری فرمان پر بھی دستخط کیے۔[10]

2011: چائنا بلیو اسٹار (گروپ) کمپنی اور اورکلا گروپ نے ایکن کمپنی (Aiken Company) کو سو فیصد حاصل کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔ کیم چائنا ایگروکیمیکل کارپوریشن نے اسرائیل کی ماکسم ایگن (Maxim Agan) کو 60 فیصد حاصل کر لیا۔[11]

2012: بلیو اسٹار اور آئس لینڈ کی حکومت کے درمیان سولر پولی سیلیکون (Solar Polysilicon) اور سیلیکون دھات کے منصوبے میں تعاون پر دستخط ہوئے۔ کمپنی نے شین ہوا گروپ کمپنی لمیٹڈ (Shenhua Group Company Limited) کے ساتھ تعاون بڑھانے کے معاہدے پر دستخط کیے۔ کمپنی نے ڈوپونٹ کمپنی کے ساتھ مشترکہ منصوبہ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے۔[12]

2013: بلیو اسٹار ایرواسپیس، اسپارک فیکٹری، لیمنگ انسٹیٹیوٹ اور دیگر کمپنیوں نے چین کے چاند پر پہنچنے اور سیٹلائٹ وغیرہ میں سہولیات فراہم کیں۔[13]

2014: نارتھ کیمیکل نے 6000 ٹن سالانہ الیکٹرولائیٹک سیل (Electrolytic Cell) کی پیداوار کے منصوبہ پر افریقی منڈی تک رسائی کے لیے الجیریا این اے سی (Algeria NAC) کے ساتھ معاہدے پر دستخط کیے۔[14]

2015: چائنا کیمیکل انڈسٹری (یو کے) کمپنی لمیٹڈ نے کاروباری سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ کیم چائنا اور سلک روڈ فنڈ نے مشترکہ سرمایہ کاری کے معاہدے پر چائنا ربڑ انٹرنیشنل ہولڈنگز (ہانگ کانگ) لمیٹڈ قائم کرنے کے لیے دستخط کیے۔ کیم چائنا اور رشیا پٹرولیم کارپوریشن نے ایکوٹی سرمایہ کاری (Equity Investment) اور خام تیل کی ترسیل میں تعاون کی یادداشت اور دستاویز پر دستخط کیے۔ تقریب میں چین کے صدر ژی جنگ پنگ اور روس کے صدر پیوٹن بھی شامل تھے۔ ایکن اور بلیو اسٹار کمپنیاں ضم ہوگئیں۔ چائنا کیمیکل نیو میٹیریل کمپنی لمیٹڈ (China Chemical New Material Co., Ltd.) قائم ہوئی۔[15]

2016: فار ایسٹ پٹروکیمیکل پروجیکٹ (Far East Petrochemical Project / FEPCO) پہ مشترکہ طور پر عمل پذیر مطالعہ کے لیے کیم چائنا کمپنی اور رشیا پٹرولیم کارپوریشن نے تعاون کے معاہدے

پر دستخط کیے۔[16]

کاروباری شعبے

کیم چائنا بنیادی طور پر چھ طرح کے شعبوں میں اپنی مصنوعات کی پیداوار کرتی ہے۔ واضح رہے کہ کمپنی کے ان کاروباری شعبوں کے بھی ذیلی کاروباری شعبے ہیں جن میں کمپنی کی کئی طرح کی مصنوعات ہیں۔ ذیل میں کمپنی کے ان کاروباری شعبوں کا ڈھانچہ پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کمپنی کے اس ڈھانچے سے اس کی کاروباری وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کمپنی کے اس وسیع کاروبار کے شعبے یہ ہیں:[17]

- نئے کیمیائی مادے اور خصوصی کیمیائی مادے
- بنیادی کیمیائی مادے
- تیل پر عمل کاری (آئل پروسیسنگ)
- زرعی کیمیائی مادے
- ٹائیر اور ربڑ کی مصنوعات
- کیمیائی آلات

ذیل میں کمپنی کے مذکورہ بالا کاروباری شعبوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جس کے گرد کمپنی کی زیادہ تر پیداوار گھومتی ہے۔ ان شعبوں کے ذیل میں کمپنی کے مزید کاروباری شعبے ہیں جو کہ کئی طرح کی مصنوعات بنانے میں مصروف عمل ہیں۔

نئے کیمیائی مادے اور خصوصی کیمیائی مادے

کیم چائنا کمپنی کے مطابق نئے کیمیائی مادے نئی ابھرتی ہوئی انفارمیشن ٹیکنالوجی، ایوی ایشن، ایرو اسپیس، توانائی، حیاتیات، آٹو موٹو، تعمیرات اور ادویات وغیرہ کی صنعت کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ کیم چائنا درجنوں پیداواری اور ترقیاتی کارخانوں کو چلاتی ہے جو کہ سیلیکون، ربڑ کے ساتھ ساتھ کئی اور کیمیائی اشیاء کی پیداوار کرتی ہیں۔ کمپنی کی اس ذمرے میں کئی طرح کے شعبے ہیں جن کی بہت سی ذیلی پیداواری مصنوعات ہیں۔ ان میں سے آٹھ کے نام مندرجہ ذیل ہیں:[18]

- آرگینو سیلیکون سیریز (Organo-silicon series)
- سیلیکون آلوئے سیریز (Silicon alloy series)
- آرگینو فلورین سیریز (Organo-flourine series)
- پولی یوریتھین سیریز (Polyurethane series)
- ہائی پرفورمینس فائبر (High performance fibre)
- انجنیئرنگ پلاسٹک سیریز (Engineering plastic series)
- جنرل پلاسٹک اور ربڑ (General plastics & rubber)
- اینمل نیوٹریشن (Animal nutrition)

بنیادی کیمیائی مادے

بنیادی کیمیائی مادے سائنسی جدت میں اپنی اہمیت اور افادیت کی ایک لمبی تاریخ رکھتے ہیں۔ کمپنی کے مطابق کمپنی کی مصنوعات اس حوالے سے سستی اور صاف پیداوار کی حامل ہیں۔ کمپنی اپنی پیداوار کے حساب سے نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر کاسٹک سوڈا اور پی وی سی (PVC) کی پیداوار میں کیم چائنا چین میں پہلے نمبر پر ہے۔ کیم چائنا آسٹریلیا کی کمپنی ویلوک (welvic) کے لیے ریزن (resin) بھی بناتی ہے۔ ریزن کی پیداوار میں کیم چائنا ایشیا کی دوسری اور دنیا کی تیسری بڑی کمپنی ہے۔ ریزن ایک نامیاتی مادہ ہے جو پلاسٹک کی مصنوعات بنانے میں کام آتا ہے۔ بنیادی کیمیائی مادوں کی پیداوار کے لیے کمپنی کے مندرجہ ذیل شعبے ہیں جن میں یقیناً کئی طرح کی مصنوعات ہیں:[19]

- نمک کیمیائی صنعت (Salt Chemical Industry)
- کوئلہ کیمیائی صنعت (Coal Chemical Industry)
- معدنی مصنوعات (Mineral Products)
- معدنی بنیادی کیمیائی مادے (Mineral Basic Chemicals)

تیل پر عمل کاری

آج دنیا میں ہر چیز تیل کی محتاج ہوگئی ہے۔ ایسے میں تیل کی مصنوعات ایندھن اور توانائی فراہم کرنے کے حوالے سے انتہائی اہمیت کی حامل ہیں

جس سے کیمیائی نامیاتی خام مال (organic chemical raw material) بھی حاصل ہوتا ہے جو کہ جدید صنعتوں کی ضرورت ہے۔ کیم چائنا کے پاس نو ریفائنریاں ہیں جو کہ مجموعی طور پر سالانہ 25 ملین ٹن خام تیل کی عمل کاری کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ کمپنی اس حوالے سے دو طرح کی مصنوعات تیار کرتی ہے:[20]

- توانائی مصنوعات (Energy Products)۔
- پیٹرو کیمیائی مصنوعات (PetroChemical Products)۔

زرعی کیمیائی مادے

کمپنی زرعی کیمیائی مادوں کو زرعی شعبے میں انتہائی اہمیت کا حامل سمجھتے ہوئے 120 سے زائد اقسام کی نباتات کش اور حشرات کش ادویات اور 800 سے زائد محلول تیار کرتی ہے۔ کمپنی نے 120 ممالک میں پانچ ہزار سے زائد مصنوعات اور چھ ہزار سے زائد ٹریڈ مارک درج کرائیں ہیں۔ اس سلسلے میں کمپنی کی دو طرح کی مصنوعات یہ ہیں:[21]

- کیمیائی کھاد۔
- حشرات کش۔

ٹائیر اور ربڑ کی مصنوعات

ربڑ کا استعمال ہماری روز مرہ زندگی میں بہت بڑھ گیا ہے اسی لیے یہ ایک انتہائی منافع بخش کاروبار ہے۔ کیم چائنا کئی طرح سے ربڑ کی پیداوار کرتی ہے اور اسے اپنی مختلف مصنوعات میں بھی استعمال کرتی ہے۔ جس میں کئی طرح کے ٹائیر سر فہرست ہیں۔ اس کے علاوہ کمپنی پولی سیلفائڈ ربڑ، خصوصی ربڑ اور دیگر مصنوعات بھی بناتی ہے۔ کمپنی کی مجموعی طور پر 12 ملین سے زائد ٹائیر کی پیداواری صلاحیت ہے۔ کئی طرح کے پائپ، طبی دستانے، میٹرولوجیکل غبارے اور دیگر لیٹکس کا سامان بنانے میں بھی کیم چائنا نمایاں ہے۔ ٹائیر اور ربڑ کی مصنوعات میں کمپنی کے مندرجہ ذیل شعبے ہیں:[22]

- گاڑیوں کے ٹائیر (Auto Tires)
- دیگر ربڑ کی مصنوعات (Non-tire Rubber Products)
- خصوصی ٹائیر (Special Tires)
- لیٹکس مصنوعات (Latex Products)

کیمیائی آلات

کیم چائنا کیمیائی مشینری کی پیداوار میں کافی مضبوط ہے۔ ربڑ اور پلاسٹک میں کیم چائنا اپنی صلاحیت کے اعتبار سے دنیا بھر میں نمایاں نمبر پر ہے۔ کیمیائی آلات کی پیداوار میں کمپنی مندرجہ ذیل شعبوں میں کئی طرح کی مصنوعات تیار کرتی ہے:[23]

- آئیونک ممبرین الیکٹرولائیزر (Ionic membrane electrolyzer)
- ربڑ مشینری۔
- سکھانے کے آلات۔
- ایکسل گیئر۔

کاروباری اصول

کیم چائنا کمپنی اپنے کچھ کاروباری اصول بھی بتاتی ہے جو ماحولیات کا تحفظ، توانائی کی بچت اور اخراج میں کمی پر مبنی ہے۔ اپنا تعارف کراتے ہوئے کمپنی نے لکھا ہے کہ ''صفر اخراج کا انتظام کرنے میں رہنمائی کرتے ہوئے کیم چائنا کمپنی اپنی جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے آلودگی اور کاربن کے اخراج کو کم کرتی ہے''۔[24]

نمایاں درجہ جات

کیم چائنا اپنی مصنوعات اور ان کی پیداوار کے حساب سے اب پوری دنیا میں کئی اعلیٰ درجات پر شمار ہوتی ہے جن میں چند درج ذیل ہیں:[25]

- میتھیونائن (Methionine) کی پیداوار میں دنیا بھر میں دوسرے نمبر پر ہے۔
- نامیاتی سیلیکون کی پیداوار میں کیم چائنا دنیا بھر میں تیسرے نمبر پر ہے۔

- کمپنی کے زرعی کیمیائی مادوں کی پیداواری صلاحیت چین میں سب سے بہتر ہے۔
- ٹائیر کی پیداوار میں کمپنی چین کے اندر پہلے اور دنیا بھر میں 15 ویں نمبر پر ہے۔
- کیم چائنا کے پیٹینٹ کے نمبر شمار چین میں ساتویں نمبر پر ہیں۔
- ربڑ اور پلاسٹک کی پیداواری صلاحیت میں کیم چائنا دنیا بھر میں تیسرے نمبر پر ہے۔
- کیم چائنا کے کیمیکل کلینگ اور واٹر ٹریٹمنٹ کے کاروبار نے منڈی کا زیادہ حصہ اپنے نام کر رکھا ہے۔
- پی وی سی، انجنیئر نگ پلاسٹک پی بی ٹی اور صنعتی سیلیکون کی پیداوار میں نمایاں نمبر پر ہے۔
- آئن ایکسچینج ممبرین الیکٹرولائزر کی پیداواری صلاحیت رکھنے والی کیم چائنا چین کی واحد کمپنی ہے جو کہ دنیا میں اپنی پیداوار اور فروخت کے حساب سے دوسرے نمبر پر ہے۔

سرمایہ کاری اور انضمام

کیم چائنا نے صرف اندرون ملک یعنی چین کے اندر ہی کمپنیوں کو نہیں خریدا بلکہ بیرون چین بھی کئی بڑی بڑی کمپنیوں کو خرید کر اپنا حصہ بنایا ہے جس میں سنجنٹا کمپنی قابل ذکر ہے۔ کیم چائنا نے 70 فیصد سنجنٹا کو 44 ارب امریکی ڈالر میں حاصل کیا جو کہ اب تک کا چین کا سب سے بڑا کاروباری معاہدہ ہے۔ اس کے علاوہ کمپنی کے کچھ بیرون چین معاہدے مندرجہ ذیل جدول 1 میں دیئے جا رہے ہیں۔[26]

ایک خبر کے مطابق کیم چائنا اور سائنو کیم (Sinochem) کمپنی آپس میں ضم ہونے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔ اس انضمام کی فی الحال کوئی سرکاری سطح پر تصدیق نہیں ہوئی ہے۔ گرچہ کہا یہ جا رہا ہے کہ اس انضمام کے نتیجے میں یہ دنیا کی سب سے بڑی کیمیائی کمپنی بن جائے گی۔[27]

ذیلی کمپنیاں

ذیل میں ان کمپنیوں کے نام دیئے جا رہے ہیں جو اس وقت کیم چائنا کی ذیلی کمپنیوں کے طور پر چین اور دنیا بھر میں موجود ہیں۔ واضح رہے کہ یہ نام چنندہ ہیں اور ترجیحی بنیادوں پر مصنف کی صوابدید پر ترتیب دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام وہ کمپنیاں ہیں جو پہلے سے ہی اپنے اپنے کاروباری عمل میں مصروف تھیں اور پھر کیم چائنا کا حصہ بن گئیں۔ ان کمپنیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کیم چائنا بہت بڑے پیمانے پر بیک وقت کئی طرح کے کاروبار میں سرمایہ کاری کر رہا ہے۔

جدول 1: بیرون چین سرمایہ کاری

نمبر	سال	کمپنی	انگریزی نام	ملک	کاروبار
	2005	ایڈیسیو	Adisseo	فرانس	چارے کے اجزاء
	2006	روڈیا	Rhodia Global Silicone	فرانس	نامیاتی سیلیکون اور سلفائڈ
	2006	قینوس	Qenos	آسٹریلیا	پلاسٹک
	2011	اڈاما ایگریکلچرل سیلوشنز	ADAMA Agricultural Solutions	اسرائیل	زرعی کیمیائی مادے
	2011	ایلکم	Elkem	ناروے	سیلیکون
	2015	پیریلی	Pirelli	اٹلی	ٹائیر
	2016	کروس مافی	Krauss Maffei	جرمنی	صنعتی مشینری
	2017	سنجنٹا	Syngenta	سوئٹزرلینڈ	زرعی کیمیائی مادے
	2016	مرکوریا	Mercuria (12 فیصد)	سوئٹزرلینڈ	تیل

- سنجنٹا۔
- اڈاما ایگریکلچرل سلیوشن۔
- چائنا نیشنل بلیو اسٹار (گروپ) کمپنی لمیٹڈ۔
- چائنا نیشنل ایگرو کیمیکل کارپوریشن۔
- کیم چائنا پٹرو کیمیکل کارپوریشن۔
- چائنا یونائیٹڈ ربڑ کارپوریشن۔
- چائنا نیشنل کیمیکل انفارمیشن سینٹر۔
- چائنا نیشنل ٹائیر اینڈ ربڑ کمپنی لمیٹڈ۔
- کیم چائنا ایسٹ مینجمنٹ کمپنی لمیٹڈ۔
- کیم چائنا انٹرنیشنل ہولڈنگ کمپنی۔
- چائنا بلیو اسٹار چین گرینڈ ریسرچ اینڈ ڈیزائن انسٹیٹیوٹ آف کیمیکل انڈسٹری کمپنی لمیٹڈ۔
- چائنا نیشنل کیمیکل سائنس ریسرچ انسٹیٹیوٹ۔
- ہاؤہوا کیمیکل کارپوریشن۔
- لائیز ہوا ایسٹرن پٹروکیمیکل ہاربر ڈو کمپنی لمیٹڈ۔
- چائنا نیشنل کیمیکل ایکیوپمنٹ کارپوریشن۔
- چائنا کیمیکل ربڑ کارپوریشن۔
- کیم چائنا فائنینس کارپوریشن۔
- نارتھ ویسٹ ربڑ اینڈ پلاسٹک ریسرچ اینڈ ڈیزائن انسٹیٹیوٹ کمپنی لمیٹڈ۔
- کیم چائنا اکیڈمی آف سائنسز۔
- چائنا ہاؤہوا کیمیکل گروپ کمپنی لمیٹڈ وغیرہ۔

تجزیہ

مندرجہ بالا حقائق اور معلومات کی روشنی میں یہ نقطہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کیم چائنا کمپنی اپنے سرمایہ کاری کی روش کی بنیاد پر دنیا کی گر چہ واحد نہ سہی مگر اولین کمپنیوں میں ضرور شمار ہونا شروع ہوگئی ہے۔ آغاز سے ہی اس کمپنی کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کمپنی کا ارتقاء باقی کمپنیوں کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس کمپنی کا ارتقاء ہوا ہی نہیں ہے۔ عمومی طور پر کمپنیاں پہلے چھوٹے پیمانے سے شروع ہوتی ہیں پھر آہستہ آہستہ بڑھ کر اپنی فروخت اور منافع کے ساتھ ساتھ اپنے حجم کو بھی بڑھاتی ہیں جس کے لیے کمپنیوں کو مختلف طریقہ کار اپنانے پڑتے ہیں۔ بہرکیف کیم چائنا کا طریقہ کار مختلف ہے۔ ایسا نہیں لگتا کہ اس کمپنی نے شاید اپنے بل پہ کوئی ایک چیز بھی پیدا کی ہو۔ کیم چائنا نے صرف پیداواری عمل سے جڑی کمپنیوں کو خرید کر اپنا حصہ بنایا ہے جس کی بہت سی مثالیں اوپری سطروں پر درج ہیں۔ کیم چائنا ایک سرمایہ کار کمپنی ہے جو کہ دیگر کمپنیوں کو خرید کر اور اپنی مصنوعات و کاروبار کے گرد تحقیقی ادارے قائم کرتی ہے اور تیزی کے ساتھ ایجادات اور جدتیں اپنے نام کرواتی ہے۔ بنا کسی غرض کے کہ اس سے سماج و ماحولیات کو کتنا اثر پڑ رہا ہے۔

کمپنی کے کاروباری شعبوں کا جائزہ لیا جائے تو سب کے سب ایسے شعبے ہیں جن سے شدید قسم کی آبی و ماحولیاتی آلودگی ہوتی ہے۔ بھلے اس کا تعلق کیمیائی مادوں کی پیداوار سے ہو یا زرعی مادوں کی پیداوار سے، دونوں ہی انتہائی مضر صحت و ماحولیات ہیں۔ اس پر کمپنی کے کاروباری اصول، جو کہ صراحاً کمپنی کی پیداوار اور اس کے منصوبوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔

زرعی کیمیائی مادوں کی مصنوعات، حشرات کش اور نباتات کش ادویات، ممکنہ طور پر سنجنٹا کمپنی کے خریدے جانے سے ہی کیم چائنا کمپنی کے حصار میں آئیں ہیں۔ حشرات و نباتات کش ادویات و مصنوعات کا بنیادی مقصد ''غیر ضروری'' کیڑے مکوڑے اور جڑی بوٹیوں کا خاتمہ ہے لیکن اس کے استعمال سے دوست کیڑوں کے خاتمے کے ساتھ ساتھ یہ ہماری خوراک و دیگر فصلوں کو بھی زہریلا اور مضر صحت بنا دیتے ہیں۔ ان کا فوری اور گہرا اثر استعمال کرنے والے کسان کی ذات اور ماحولیات پر بھی ہوتا ہے۔

کمپنی کی دیگر مصنوعات کو ایک طرف چھوڑ کر بھی گر صرف زرعی کیمیائی مادوں کے ہی انسانی صحت پر پڑنے والے اثرات کو جانچا جائے تو انتہائی بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔ زرعی کیمیائی مادوں اور کینسر کے درمیان تعلق کی کوئی 260 سے زیادہ تحقیقات منظر عام پر آچکی ہیں۔ سائنسدانوں کے مطابق یہ کیمیائی مادے چھاتی کا کینسر، پروسٹیٹ کا کینسر، دماغ کا کینسر، ہڈی کا کینسر، گردن کے غدود کا کینسر، بڑی آنت (colon) کا کینسر، جگر کا کینسر اور پھیپھڑوں کے کینسر وغیرہ کا باعث ہیں۔ بعض تحقیقات

کے مطابق وہ علاقے جہاں حشرات کش کیمیائی مادے استعمال کیے جاتے ہیں، وہاں آدھے کلومیٹر کے اندر اندر مردوں میں پروسٹیٹ کینسر ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ انوائرنمنٹل ہیلتھ پرسپکٹیو (Environmental Health Perspective) میں شائع ہونے والی تحقیق نے ان کیمیائی مادوں کی وجہ سے بچوں میں موروثی طور پر دماغ کا کینسر ہوجانے کا اندیشہ ظاہر کیا۔ اس کے علاوہ موٹاپا، ذیابیطس، اسقاط حمل، بانجھ پن، پیدائشی نقائص اور بچوں میں نشو ونما کے مسائل بھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔[28]

کیم چائنا کمپنی کے آغاز سے اس کے طرز کاروبار کو دیکھتے ہوئے اس کے مستقبل کو اخذ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ خاص طور پر سنجنٹا کمپنی خریدنے کے بعد یہ بات صاف ظاہر ہے کہ کیم چائنا پلاسٹک، ربڑ، ٹائیر اور تیل کے کاروبار کے بعد اب زرعی کاروبار میں قدم رکھ رہی ہے۔ فی الحال کمپنی کے زرعی کیمیائی مادے فروخت ہورہے ہیں مگر جلد ہی کیم چائنا بیج کے کاروبار سمیت زراعت سے متعلقہ دیگر اشیاء کی پیداوار و فروخت میں بھی آگے آئیگی اور پھر پاکستان میں چین کی دیگر مصنوعات کے ساتھ ساتھ چین کا بیج بھی یہاں کی مقامی منڈی میں بکنے کو آئے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب امریکی کمپنیاں اس شعبے میں چین کی کمپنیوں کو کتنی جگہ دیتی ہیں؟

دوسری جانب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ابھی تک پاکستان میں چینی کمپنی کی تیل و پٹرول کی مصنوعات عام نہیں ہیں۔ مگر یہ زیادہ دن کی کہانی نہیں کہ جب زرعی منڈی کی طرح پاکستان کے چپے چپے میں کیم چائنا کی کسی ذیلی تیل کی کمپنی یا چین کی دیگر تیل کی کمپنیوں کے پمپ اسٹیشن نظر آئیں گے۔ چین بہت ہی جلد پاکستان کی اس منڈی کو بھی ہتھیانے کی کوشش کرے گا۔ بہت ممکن ہے کہ جلد ہی چین کی تیل کمپنیاں یا کیم چائنا پاکستان اسٹیٹ آئل کے ساتھ کوئی معاہدہ کرلیں۔ اس ساری صورتحال میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کمپنیاں جو اس وقت پاکستان میں تیل کے کاروبار سے جڑی ہیں وہ چین کو اس ذمرے میں کتنی جگہ دینے کو تیار ہیں کیونکہ یقیناً یہ بہت منافع بخش کاروبار ہے جو کوئی بھی اپنے ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ انسانوں کے آمر اور اشرافیہ طبقے نے پانی اور زمین کے بعد تیل کے لیے ہی بڑی بڑی جنگیں لڑی ہیں۔ حالیہ تاریخ میں بھی 2001 کے افغانستان پر امریکی حملے اور 2003 کے عراق پر امریکی حملے سے لیکر عرب اسپرنگ انقلاب (Arab Spring Revolution) تک میں تیل، تیل کے معاہدوں اور تیل کی کمپنیوں کے تانے بانے ملیں گے۔ مغرب کی سعودی عرب سے دوستی اور ایران و شام سے خفگی بھی تیل کی منڈی سے جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں کہ زراعت اس سلسلے کی چوتھی کڑی بن جائے۔

آئندہ چند سالوں میں پاکستان کے سیاسی و معاشی حالات ان حوالوں سے بہت اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ یہ نہ صرف پاکستان کی مقامی منڈی پر اثر انداز ہونگے بلکہ یہاں کا زرعی کاروبار کے ساتھ ساتھ یہاں کی زراعت اور بالخصوص کسانوں کے مستقبل کے بارے میں بھی یہی عوامل کار فرما ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ اس بدلتے ہوئے منظر میں کسان اور مزدور اپنے آپ کو کہاں کھڑا کرتے ہیں؟ ایک طرف ان عالمی کمپنیوں کے منافع کی سیاست ہے تو دوسری طرف اس ملک کا کسان اور مزدور طبقہ کی بقاء کی سیاست۔ بس اب وقت کو دیکھنا یہ ہے کہ کمپنیاں اپنے عزائم کی تکمیل میں جتی رہتی ہیں یا کسان اور مزدور طبقہ اپنے حقوق کی اس جنگ کا فیصلہ اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں؟ بہرحال مستقبل قریب میں کوئی بھی صورتحال ہو اس میں کسان اور مزدور طبقہ برابر کا ذمہ دار ہوگا۔

خاموشی کمپنیوں کی اس اجارہ داری پر رضامندی کی دلیل ہوگی، اعتراض پر شور ہوگا، بغاوت ہوگی۔

حوالہ جات

1. ChemChina. "Introduction." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/en/gywm/jtjj/A601601web_1.htm
2. ChemChina. "Group history: year 2004." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2012/04/1334797813187403.htm
3. Bluestar. "Introduction." Bluestar (Beijing) Chemical Machinery Co., Ltd, 2005 - 2018. Accessed from http://www.bcmc.chemchina.com/bhjen/gywm/C0201web_1.htm
4. Print Edition Business. "Better than barbarians." The Economist, January 14, 2016. Accessed from https://www.economist.com/business/2016/01/14/better-than-barbarians
5. ChemChina. "Group history: year 2004." China National Chemical Corporation.
6. ChemChina. "Group history: year 2005." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2012/04/1334797813182687.htm
7. ChemChina. "Group history: year 2006." China National

Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2012/04/1334797813173942.htm
8. ChemChina. "Group history: year 2007." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2012/04/1334797813168591.htm
9. ChemChina. "Group history: year 2008." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2012/04/1334797813163716.htm
10. ChemChina. "Group history: year 2010." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2012/04/1334797813153785.htm
11. ChemChina. "Group history: year 2011." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2012/04/1334797814551347.htm
12. ChemChina. "Group history: year 2012." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2013/07/1374560637381799.htm
13. ChemChina. "Group history: year 2013." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2014/05/1400457022488963.htm
14. ChemChina. "Group history: year 2014." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2015/05/1431562003421527.htm
15. ChemChina. "Group history: year 2015." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2016/04/1460939013083261.htm
16. ChemChina. "Group history: year 2016." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/portal/gywm/jtjj/jtlc/webinfo/2018/04/1523351358623565.htm
17. ChemChina. "Product & services: business sector." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/en/cpyfw/ywbk/A601801web_1.htm
18. ChemChina. "Business sector: new chemical materials and specialty chemical products." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/en/cpyfw/ywbk/xcl/A60180101web_1.htm
19. ChemChina. "Business sector: basic chemicals." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/en/cpyfw/ywbk/jchx/A60180102web_1.htm
20. ChemChina. "Business sector: oil processing & refining products." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/en/cpyfw/ywbk/syjg/A60180103web_1.htm
21. ChemChina. "Business sector: agrochemicals." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/en/cpyfw/ywbk/nyhx/A60180104web_1.htm
22. ChemChina. "Business sector: rubber products." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/en/cpyfw/ywbk/ltxj/A60180105web_1.htm
23. ChemChina. "Business sector: chemical equipment." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/en/cpyfw/ywbk/hgzb/A60180106web_1.htm
24. ChemChina. "Introduction." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018.
25. ChemChina. "Business sector: leading sector." China National Chemical Corporation, 2005 - 2018. Accessed from http://www.chemchina.com.cn/en/gywm/ywjg/ynlx/A60160402web_1.htm
26. Print Edition Business. "Better than barbarians." The Economist, January 14, 2016.
27. Weinland, Don. Hornby, Lucy. "ChemChina and Sinochem plan merger." Hong Kong and Beijing, May 8, 2017. Accessed from https://www.ft.com/content/08a29238-2ed2-11e7-9555-23ef563ecf9a
28. Sarich, Christina. "Top ten companies killing the natural world with pesticides - also the biggest seed producers." Natural Society, May 21, 2014. Accessed from http://naturalsociety.com/top-6-companies-killing-natural-world-pesticides-also-biggest-seed-producers/

بقیہ مضمون: حقیقتیں تلخ تلخ!

ایک طرف چین پاکستان اقتصادی راہداری کے تحت زمینی قبضے بڑھتے جا رہے ہیں، دوسری طرف یورپ اور امریکہ کے امیر سرمایہ دار ممالک ہمارے قدرتی وسائل اور منڈی پر قبضے میں کامیاب ہوتے جا رہے ہیں۔ چھوٹے کسانوں کے لیے گنے کی قیمتوں کو نہایت کم سطح پر برقرار رکھا گیا اور حکومت و سرمایہ داروں کے گٹھ جوڑ سے گنے کی کم قیمت کے خلاف برپا ہونے والی مزاحمت کو جھوٹے وعدوں جیسے حربوں کے ذریعے کمزور کردیا گیا۔ یہ وہ سبق ہیں کہ جن کے ذریعے عوام کو عالمگیریت کی سامراجی بنیادوں کو سمجھتے ہوئے اور ان طاقتوں سے ہمارے حکمرانوں کی گٹھ جوڑ کے خلاف لائحہ عمل تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ جب تک عوام اور دیگر چھوٹے پیداواری گروہ ایک طاقتور مزاحمتی قوت نہیں بنتے جب تک سامراج کے ہاتھوں پسنے کے علاوہ اور راہ نہیں۔

سندھ میں ہاری (کسان) جدوجہد کی تاریخ اور ''چمبڑ تحریک''

ترجمہ: نور احمد

نوٹ: روزنامہ کاوش میں 7، 8، 9 مئی، 2018 کے شماروں میں سندھ کی ہاری تحریکوں اور ان کی جدوجہد کے بارے احمد خان حمدانی کا مضمون شائع ہوا۔ یہاں اس مضمون کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ یہ کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ من وعن کیا جائے اس لیے کسی بھی واقعات یا شماریاتی غلطی جو اصل ترجمہ میں درج ہے، ادارہ اس کا ذمہ دار نہیں۔

آدھی بٹائی تحریک

سندھ ہاری کمیٹی 1917 کے سوویت سوشلسٹ انقلاب کے زیر اثر قائم کی گئی تھی جس نے سندھ میں آدھا بٹائی تحریک شروع کی گئی۔ 22 جون، 1947 میں ٹالہی، جھڈے ضلع میرپور خاص میں ایک کسان جلسے کے دوران اناج کے ڈھیر کی رکھوالی کرنے والی مائی بختاور کو زمیندار کے کہنے پر شہید کیا گیا تھا۔

الاٹی تحریک

تقسیم کے بعد سندھی ہندوؤں کی زمین اور دیگر زمینیں ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کو کلیم (claim) میں دینے کے خلاف الاٹی تحریک شروع ہوئی۔

سندھ ٹیننسی ایکٹ کی منظوری

آدھی بٹائی اور الاٹی تحریک کے ساتھ دیگر کسان تنظیموں نے کسانوں کے مسائل پر یکم اپریل، 1950 کو کراچی میں بہت بڑا جلسہ کیا جہاں گونر جنزل کے آفس کا گھیراؤ کیا گیا۔ اس احتجاجی جلسہ میں ایک اندازے مطابق 10 ہزار کسان شریک ہوئے جس میں کسان عورتوں کی بھی بہت بڑی تعداد شامل تھی جن کی رہنمائی کرنے والی عورتوں میں گاؤں سعید خان لغاری کی ایک کسان عورت مائی جامل اور مسو بوزدار کی بھی ایک کسان عورت بھی شامل تھی۔ لال جھنڈیوں کے ساتھ کسان مردوں اور کسان عورتوں کے ہاتھوں میں درانتی بھی تھیں۔

اس احتجاج کے نتیجہ میں کسانوں اور زمینداروں کے لیے سندھ ٹیننسی ایکٹ پاس ہوا۔ جس میں کسی حد تک کسانوں کے مسائل پر قانون سازی کی گئی۔ یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ ان قوانین پر کبھی بھی عمل نہیں ہوا۔ ایسا وقت کے گورنر جنرل اسکندر مرزا نے کسانوں کے ایک اہم رہنما قاضی فیض محمد کو کہا کہ ''میں تو زمینیں کسانوں کو دینا چاہتا ہوں لیکن سندھ اسمبلی کے وڈیرے اور جاگیرادار ایسا کرنے نہیں دیتے''۔

چین کے انقلاب کے اثرات

سوویت یونین کے بعد چینی انقلاب کے اثرات پوری دنیا کے ساتھ سندھ پر بھی پڑے اور سندھ ہاری کمیٹی بھی متاثر ہوئی۔ کمیونسٹ پارٹی میں بھی بحث و مباحثہ شروع ہوگئے۔ 1962 میں چین، بھارت جنگ میں مباحثہ مزید زور پکڑ گئے۔ کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان نے اس جنگ میں بھارت کی طرف داری کی۔ پاک چین دوستی بھی کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کو اچھی نہیں لگی۔ 1965 کی پاک، بھارت جنگ میں کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کے چین نواز گروپ نے پاکستان کی حمایت کی اس طرح چین اور روس کی الگ الگ حمایت میں کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔

سندھ ہاری کمیٹی کے دو گروپ

ایک طرف کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان تھی اور دوسری طرف سندھ کمیونسٹ پارٹی بن چکی تھی، جو چین نواز تھی۔ اس پارٹی کے رہنما کامریڈ عزیز سلام بخاری تھے۔ کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان نے چین نواز ٹولے کو پارٹی سے خارج کردیا۔ حیدر بخش جتوئی بھی ماسکو نواز ٹولے سے الگ ہوگئے۔ اس طرح سندھ ہاری کمیٹی میں بھی دو گروہ بن گئے۔ بڑا گروہ کامریڈ حیدر بخش جتوئی کی رہنمائی جبکہ دوسرا گروہ غلام حسین سومرو کی رہنمائی میں تھا۔ دونوں

گروہ ''سندھ ہاری کمیٹی'' کا نام استعمال کررہے تھے۔ مگر کسانوں میں زیادہ سرگرم ماؤ نواز یعنی حیدر بخش جتوئی گروہ تھا۔

چمبڑ تحریک

1963 یا 1964 کی شروع میں عزیز سلام بخاری گاؤں سکندر لغاری آئے اس سے پہلے کامریڈ حیدر بخش جتوئی نے 1963 میں حیدرآباد اور بدین اضلاع کا دورہ کیا۔ انہوں نے شروعات تحصیل ماتلی کے گاؤں محمد خان زنئور سے کی۔ جام ساقی اور قلندر بخش مہر نے بھی اس علاقہ کا دورہ کیا۔ اس وقت سندھ میں جاگیردار بہت زیادہ طاقتور تھے۔ جن کے پاس بڑی بڑی جاگیریں تھیں اور معیشت پر ان کا قبضہ تھا۔ اس لیے سیاست پر بھی وہی قابض تھے اور حکمران بھی وہی تھے۔ جاگیردار، کسانوں کا استحصال کرتے تھے بلکہ ان کو غلام سمجھتے تھے۔ ہاری کسانوں سے اپنے پورے گھر کا کام بھی کرواتے تھے، مویشیوں کی دیکھ بھال، دانہ پانی اور گھاس وغیرہ کا ذمہ بھی کسانوں پر ہی تھا۔ فصل قانونی طور پر تو آدھی آدھی کی مالکی پر تھی مگر اس پر عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ کئی برس بیت جاتے تھے جاگیردار کسانوں کا حساب کتاب نہیں کرتے تھے۔ کسان زمینیں تو آباد کرتے تھے لیکن فصل جاگیردار لے جاتا تھا۔ فی من گندم پر کہیں ایک کلو تو کہیں پانچ کلو زمیندار مزید لے لیتے تھے۔ اس طرح کسانوں کو ایک من کی جگہ 35 کلوگرام گندم ملتی تھی۔ یہ سب غیر قانونی طور پر جبر کے ساتھ ہوتا تھا۔ جاگیرداروں نے غنڈے اور ڈاکو پال کر رکھے تھے، کسانوں کے گھروں میں چوریاں بھی کرتے اور ان کو قتل بھی کرتے تھے اور جب چاہتے کسانوں کو بے دخل بھی کردیتے تھے۔ کسان کہیں فریاد کرنے جاتے تو پولیس الٹا ان کو ہی گرفتار کرکے تشدد کرتی تھی۔ کسانوں کی عزتیں جاگیرداروں اور ان کے پالے ہوئے غنڈوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ میں تھیں۔ یہ انتہائی بدترین صورتحال تھی۔ ایسی صورتحال میں چمبڑ کے قریب دیھ ٹھل اور بوچڑاھ کے گاؤں داد جڑوار میں 2,200 ایکڑ زمین کے مالک کے جاگیردار حاجی عبدالرحیم جڑوار کے خلاف وہاں کے کسانوں نے بے دخل رکھے جانے کے خلاف تحریک چلائی تھی جو کہ کامیاب نہیں ہوسکی۔ پھر 1967 میں اس وڈیرے کے خلاف جدوجہد شروع ہوئی جس کی قیادت سندھ کمیونسٹ پارٹی اور سندھ ہاری کمیٹی نے کی۔ اس تحریک کے اہم رہنماؤں میں احمد خان لغاری نبی بخش ''ہمدرد'' زنئور اور باقر سٹھائی شامل تھے۔ اس جدوجہد میں گاؤں صاحب خان، جام خان لغاری اور جڑوار گاؤں کے کسان بھی شامل تھے۔ اس وقت ہاری کمیٹی نے بیٹھکیں کیں، ناٹک اور انقلابی گیت پیش کیے اور تعلیمی آگاہی نشستیں (اسٹڈی سرکل) منعقد کیں۔

کسانوں نے پہلے مختیار کار ٹنڈو الہیار کے پاس درخواست پیش کی جہاں دو پیشیاں ہوئیں جس میں الٹا کسانوں کو برا بھلا کہا گیا جس پر کسانوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اب حیدرآباد جاکر ڈپٹی کمشنر کے پاس درخواست جمع کی جائے لیکن وہاں دو تین کسانوں کے بجائے زیادہ تعداد میں کسان جائیں۔ وہاں بھی دو پیشیاں ہوئیں اور ایک اندازے کے مطابق 500 کسان مل کر حیدرآباد گئے۔ شہر سے زیل پاک سیمنٹ کے مزدور رہنما استاد مرتضٰی بھی مزدوروں کو ساتھ لے کر کسانوں کے ساتھ شامل ہوگئے۔ ڈپٹی کمشنر نے دو مرتبہ مختیار کار ٹنڈو الہیار کو خط لکھا مگر مختیار کار کسانوں کے ساتھ ناروا سلوک کرکے ان کو واپس کردیتے تھے، ساتھ ساتھ جاگیردار کے خلاف کارروائی کرنے سے بھی انکار کردیا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر کسانوں نے مل کر ایک بہت بڑے جلسے کا اہتمام کیا جس میں ایک احتجاجی کمیٹی کا چناؤ ہوا جو اس طرح تھی۔

(1) عدالتی کام کاج کے لیے احمد خان لغاری۔

(2) قانونی کام کاج۔ نبی بخش 'ہمدرد' زنئور، (یاد رہے کہ ہمدرد زبردست شاعر بھی تھے وہ اپنی آواز میں انقلابی گیت بھی گاتے تھے۔ ان کی شاعری ان کے بیٹے محمد علی اور ایک دوست عبداللہ پنہور کے پاس موجود ہے مگر شائع نہیں ہوسکی ہے۔ ان کی انقلابی شاعری کے ضائع ہونے کا بڑا اندیشہ ہے)۔

(3) ریکارڈ کے لیے غلام علی لغاری۔

(4) انتظامی معاملات کے مشیر عثمان لغاری تھے جو اپنی تقاریر میں مشہور گیت سناتے تھے کہ

تیڈے گھر دے کتے سکھے

ساڈے گھر دے بچے بھوکے
بچیاں دی شل مار پوئی
گھن ، گھن، گھن، گھن، ول ول گھن

عدالتی معاملے کے لیے مشیر پھوٹو رستمانی اور خارجہ امور کے لیے باقر سنائی مقرر ہوئے۔ باقر سنائی بھی شاعر اور ادیب تھے جوسن کے قریب گانچوں کے گاؤں سے تھے اور پارٹی کے کل وقتی کارکن تھے۔ اس وقت وہاں کسان تحریک چلانے والوں میں نیچے دیے گئے رہنماؤں کے نام نمایاں تھے۔ عثمان لغاری، احمد خان لغاری، باقر سنائی، نبی بخش 'ہمدرد' زنور، محمد فضل کپچائی، محمد صدیق جڑوار، فوٹو رشانی، محمد قاسم رشانی، ہانڈھی خان، محمد آچر سولنگی، نور محمد روز، مرزو خان لغاری، علی محمد خاصخیلی، سوڈھوماچھی، غلام علی لغاری، میاں بخش لغاری، سکندر لغاری، امین جڑوار صاحب، خان لغاری، عاشق لغاری، عبدالرحمٰن لغاری، حاجی خان لغاری، حاجی خان تھیبو، عثمان ناطق، کامریڈ محمد خان، حاجی خان لغاری، حاجی مجید لغاری، محمد عرس دریشک، محمد رمضان دریشک، مولوی محمد یعقوب حاجانو، پیر محمد علی شاہ جھنڈو ولو، محمد بخش لنڈ، عبدالکریم درس، مولوی نظیر حسین حیدری، میر عبد القادر، محمد سومار ماچھی، ابوبکر ماچھی، کامریڈ لقمان، کامریڈ سدورو۔

پہلی جدوجہد اور کامیابی

کسانوں کو بے دخل کرنے کے لیے جاگیردار حاجی عبدالرحیم جڑوار نے اپنے گردو نواح کے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں سے رابطہ کیا جن میں بڈھوخان پتافی، تاج محمد شاہ شمبانی، حاجی غلام حسین کھوکھر، حاجی دریا خان لُنڈ، حاجی جعفر لُنڈ کے علاوہ دوسرے جاگیردار اور وڈیرے شامل تھے۔ حاجی عبد الرحیم جڑوار (عبدالرحمان) کی مدد کے لیے بڈھو خان پتافی ایک رات سیکڑوں ہتھیار بند افراد کے ساتھ مورچے بنا کر چھپ کر بیٹھ گئے۔ صبح جب کسان کھیتوں میں ہل چلانے گئے تو ان میں سے بہت سے کسانوں کو مسلح افراد نے پکڑ لیا۔ یہ بات جب دوسرے کسانوں تک پہنچی تو وہ بھی آس پاس کے گاؤں سے جمع ہونے لگے۔ ایک اندازے کے مطابق تھوڑی ہی دیر میں ایک ہزار کسان جمع ہوگئے۔ کسانوں کے پاس لاٹھیاں، کلہاڑیاں اور دو چار بندوقیں بھی تھیں۔ ان کسانوں نے جاگیردار اور اس کے غنڈوں کا گھیراؤ کرلیا اس کے بعد کسان رہنماؤں احمد خان لغاری، صدیق جڑوار، امین جڑوار صاحب خان لغاری، غلام علی لغاری اور دوسرے کچھ کسان ان قابض جاگیردار کے لوگوں کے پاس گئے اور ان کو سمجھایا کہ یہ جاگیردار کسانوں کو آپس میں لڑا کر خونریزی کروانا چاہتا ہے لہذا ہم خالی ہاتھ ہیں اور جاگیردار سے بات کرنا چاہتے ہیں جس پر انہوں نے کسان کمیٹی کو جاگیردار سے بات کرنے کی اجازت دی۔ کسان کمیٹی نے جاگیردار کو کہا کہ اپنے آس پاس نظر گھماؤ جب جاگیردار نے باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھا تو چاروں طرف کسان جمع تھے۔ کمیٹی والوں نے کہا کہ ہم خونریزی نہیں چاہتے لیکن اگر جھگڑا ہوا تو کیا ہوگا یہ آپ خود دیکھ لیں جس پر جاگیردار سخت پریشان ہوا اور کہا کہ مجھے جانے کے لیے راستہ دے دو۔ کسانوں نے جواب دیا کہ ہمارے کسان اور ان کے بیل جو تمہارے لوگوں نے پکڑے تھے ان کو چھوڑ دو اور تم گھوڑے سے اتر کر پیدل جاؤ گے اور کسانوں سے معافی بھی مانگو، تب ہم تمہیں جانے کے لیے راستہ دیں گے۔ جاگیردار نے ساری شرائط قبول کرلیں اور اس طرح کسانوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔

دوسری جدوجہد

دوسرا واقعہ گاؤں محمد خان زنور میں پیش آیا جہاں کسانوں کے خلاف کارروائی آپریشن کا فیصلہ کیا گیا۔ کسان رہنماؤں کو گرفتار کرنے کے لیے پولیس اس گاؤں میں پہنچی اور گاؤں کا گھیراؤ کرلیا۔ واقع کی اطلاع جب گاؤں والوں کو پہنچی تو انہوں نے گاؤں کی دکانیں اور ہوٹل بند کردیے اور پانی کی نادیاں (بڑے مٹکے) اور مٹکے الٹے کرکے پانی بہا دیا اور اہلکاروں کو ایک بوند بھی نہیں دی۔ اس طرح پولیس بھوک اور پیاس کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئی۔ پولیس فقط ایک کسان رہنما نبی بخش ہمدرد زنور کے والد نور محمد زنور کو ہی گرفتار کرسکی۔ اس جدوجہد سے کسانوں میں بڑا حوصلہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد کسان اور رمزدور مل کر ڈپٹی کمشنر حیدرآباد کیپٹن عثمان عیسانی کے پاس گئے جہاں انہوں نے مختیار کار ٹنڈو الہیار اور جاگیردار کے خلاف احتجاج شروع کیا اور دھمکی دی کہ وہ یہاں مل کر بھوک ہڑتال کریں گے اور اس کے ساتھ انہوں نے وہاں دھرنا بھی شروع کردیا۔ مجبور ہو کر ڈپٹی کمشنر نے ایس پی کو بلایا اور ساری صورتحال پر بات کی، وہاں کسی کام کی بنا پر چمبڑ تھانے کا

صوبیدار بھی پہنچ گیا جس پر ایس پی نے سخت غصے میں صوبیدار کو کہا کہ جاؤ اور جو کسان کہہ رہے ہیں اس پر عمل کرو۔ چمبڑ تھانے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت تھانے جاگیرداروں کی اوطاق بنے ہوئے تھے ۔ اس کے بعد کسان ڈی سی سے خط لے کر مختیار کار ٹنڈو الہیار کے دفتر پہنچے۔ مختیار کار پہلے کسانوں کی ایک نہ سنتا تھا مگر اب وہ مجبور ہوگیا اور ایک دن اتوار کی مہلت مانگ کر پیر کو گاؤں جاکر فیصلہ کرنے کو کہا۔ کسانوں نے یہ بات ماننے سے انکار کرکے کہا کہ ''ہمیں تو اتوار کو ہی فیصلہ چاہیے'' جس پر مختیار کار نے کہا کہ ''اتوار کے دن میرے گھر میں شادی ہے لہذا یہ فیصلہ ہم پیر کو رکھتے ہیں''۔ کسانوں نے جواب دیا کہ ''کبھی آپ نے ہمیں غمی اور خوشی میں بخشا ہے کہ ہم آپ کو مہلت دیں؟'' آخر کار کسانوں کے اتحاد اور احتجاج کے آگے مختیار کار نے گھٹنے ٹیکتے ہوئے فیصلہ اتوار کو ہی کیا جبکہ شادی پیر کو ہوئی۔ فیصلے کے دن مختیار کار عدالت کے کاغذات اور ٹائپ رائٹر اٹھا کر جاگیردار کی اوطاق میں آ کر بیٹھ گیا جس پر کسان کمیٹی والوں نے احتجاج کیا اور جاگیردار کی اوطاق میں بیٹھنے سے انکار کردیا جس کے بعد مختیار کار اوطاق سے اٹھ کر اسکول میں جا بیٹھا اور وہیں فیصلہ ہوا اس فیصلے میں جاگیردار نے کسانوں سے معافی مانگی اور لکھ کر دیا کہ کسانوں کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ گندم اور دوسری فصل کی آدھا بٹائی کسانوں کی مرضی کے مطابق کی جائے گی۔ اس فیصلے میں علاقہ کے بہت سے دوسرے جاگیردار اور کسان بھی فیصلہ سننے آئے ہوئے تھے۔ لہذا فیصلہ کسانوں کے حق میں ہوا اور بے دخلی رک گئی۔

شاندار جدوجہد

چمبڑ شہر میں لیلو نامی ایک بہت بڑا جاگیردار رہتا تھا جس کے پاس 3,000 ایکڑ سے زیادہ زمین تھی اور وہ کاروبار بھی کرتا تھا۔ اس جاگیردار کی بیٹھک پر کسانوں نے قبضہ کرکے وہاں کسان عدالت قائم کی۔ اس بیٹھک پر کسان پولیس کو بلا کر جاگیرداروں اور وڈیروں کی پیشی اور فیصلے کرتے تھے۔ اسی طرح دوسرے جاگیرداروں کے کسانوں نے بھی بغاوت کی اور کامیاب ہوئے۔ ان جاگیرداروں کے پاس بھی کم و بیش تین ہزار ایکڑ زمین تھی۔ جاگیرداروں کے مقرر کردہ غنڈوں نے جب کسانوں کو تنگ کرنا شروع کیا تو کسانوں نے بھی انہیں خوب مارا اور ملکر یہ فیصلہ کیا کہ اب جاگیرداروں کے خلاف تھانوں یا مختیار کار کے پاس کوئی بھی فریاد نہیں کریں گے بلکہ وہ فصل اور گندم کے ڈھیر پر قبضہ کرکے وہاں خود فیصلہ کریں گے۔ اس فیصلے کے بعد کسانوں نے صاف کیے ہوئے گندم کے ڈھیر پر قبضے کرنا شروع کیا اور جاگیرداروں کے کارندوں کو گندم کے ڈھیر پر آنے سے روک لیا۔ پولیس کو بھی کہا کہ اگر انہوں نے جاگیرداروں کا ساتھ دیا تو ان سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔ کسان گندم کے ڈھیر پر پتھر کی بڑی چکیاں گھر سے لے آئے اور وہیں ڈھیر پر ہی آٹا پینا شروع کردیا اور ساتھ انقلابی گیت بلند کیے۔

اس صورتحال سے پریشان ہو کر جاگیردار تھانوں پر اور مختیار کاروں کے پاس جاکر فریاد کرنے لگے اور کسانوں پر مقدمے داخل کروائے مگر کسانوں نے پیش ہونے سے انکار کردیا جس پر جاگیردار وفد کی صورت میں تھانوں، عدالتوں اور مختیار کار کے آفس جاکر چلانا شروع کیا کہ ''کسان ہمیں گندم اٹھانے نہیں دیتے اور وہیں آٹا بنا کر وہ کھارہے ہیں''۔ اس پر 1,000 سے زائد کسان جلوس کی صورت میں مختیار کار کی آفس گئے کسانوں کی رہنمائی ایک 80-70 سالہ بزرگ کسان فضل کررہے تھے۔ مختیار کار کے دفتر میں جاگیردار بھی بڑی تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مختیار کار نے سخت لہجے میں کہا کہ ''تم جوتوں سمیت آفس میں کیوں آئے ہو؟'' کسانوں کی رہنمائی کرنے والے کسان فضل نے کہا کہ ''یہ جاگیردار جوتوں سمیت عدالت میں بیٹھے ہیں کیا ان کے جوتے صاف ہیں؟'' جس پر مختیار کار نے کہا کہ ''تم زمینداروں کو گندم اٹھانے کیوں نہیں دیتے؟'' کسانوں نے جواب دیا کہ ''ہم تب تک گندم اٹھانے نہیں دیں گے جب تک زمیندار پچھلے چار سال کا حساب نہیں دیتے۔ آدھا بٹائی کا فیصلہ نہیں مانیں گے اور ٹیننسی ایکٹ پر عمل نہیں کریں گے تب تک ہم انہیں گندم اٹھانے نہیں دیں گے''۔

جب کسانوں نے زمیندار کو گرفتار کروا دیا

تحریک مزید پھیلنی شروع ہوئی۔ ایک اور زمیندار صوفی چوہدری محمد یوسف تھا نے بھی کسانوں کو بے دخل کرنے کی کوشش کی تو کسانوں نے زمین پر قبضہ کرلیا۔ زمیندار نے تھانے جاکر کسانوں پہ پرچہ کٹوایا جس پر بہت سے کسان مل کر تھانے گئے اور جاگیردار پہ جوابی پرچہ داخل کروا دیا جس پر پولیس نے کچھ کسانوں اور ساتھ ساتھ جاگیردار چوہدری کو بھی گرفتار کرلیا۔

کسانوں کے سخت دباؤ کے بعد ٹیننسی ایکٹ کے تحت آدھا بٹائی کرنے اور بے دخل نہ کرنے پر زمیندار راضی ہوا۔ فیصلہ کسانوں کے حق میں ہوا اور بے دخلی بھی رک گئی۔

کسانوں کی طرف سے زمیندار کا بائیکاٹ

ایک اور زمیندار عارف خان نے بھی کسانوں کو آدھی بٹائی دینے سے انکار کردیا۔ اس کے گاؤں میں رات کو کسانوں نے جلسہ کیا اور فیصلہ کیا کہ زمیندار کو گندم اٹھانے نہیں دیں گے اور یہ بھی طے پایا کہ اس زمیندار کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے اور اس کے کسی بھی پروگرام میں کسان نہیں جائیں گے۔ اس پر زمیندار نے مجبور ہوکر کسانوں کے ساتھ تصفیہ کیا اور گندم کی بٹائی کسانوں کی مرضی کے مطابق ہوئی۔

تھانے پر کسانوں کا قبضہ

شہزاد قائمخانی ٹنڈو الٰہیار کا ایک زمیندار تھا جس کی زمین چمبڑ کے ساتھ تھی۔ کسانوں نے رات کو زمین پہ ایک جلسہ کیا۔ جلسے کے بعد جب کسان واپس گھروں کو جانے لگے تو زمیندار نے اپنے بنائے ہوئے منصوبے کے تحت اپنی بیٹھک پر خود ڈاکا ڈلوایا اور پھر پولیس ساتھ مل کر کسانوں کے خلاف مقدمہ داخل کروا دیا۔ رات کو ہی پولیس نے ہوائی فائرنگ کرکے کچھ کسانوں کو گرفتار کرلیا۔ باقی کسانوں کو جب معلوم ہوا تو کسان واپس جلسہ گاہ میں پہنچے اور کسان کمیٹی کے رہنماؤں کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ اس کے بعد کسانوں نے فیصلہ کیا کہ صبح نو بجے چمبڑ کے قریب نہر پہ کسان جمع ہوں گے اور تھانے کا گھیراؤ کیا جائے گا۔ یہ اطلاع رات کو ہی کسانوں تک پہنچا دی گئی۔ صبح ہوتے ہی ایک ہزار سے زیادہ کسان جمع ہوگئے اور چمبڑ کی طرف نعرے لگاتے ہوئے بڑھنے لگے۔ چمبڑ شہر کے مزدور بھی جلسے میں شامل ہونے لگے اور ان کے ساتھ اساتذہ اور طلبہ بھی جلسہ میں شامل ہوتے گئے۔ اس طرح یہ جلسہ 2,000 افراد سے بھی بڑھ گیا۔ زمیندار چائے پینے کے لیے کسی ہوٹل میں آیا ہوا تھا۔ نعرے سن کر ہوٹل سے باہر نکلا تو کسانوں نے اسے پکڑ لیا اور تھانے لے آئے۔ ہنگامہ دیکھ کر پولیس افسر بھاگ گیا اور کسانوں نے تھانے پر قبضہ کرلیا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ کسانوں کی مرضی کے مطابق آدھی بٹائی پر مبنی گندم اٹھائی جائے۔

یہ کچھ مثالیں تھیں جن میں کسانوں نے اتحاد، محبت، عقل اور دانائی کے ذریعے کامیابیاں حاصل کیں۔

سندھ کسان کمیٹی میں توڑ پھوڑ

یہ وہ زمانہ تھا جب ذوالفقارعلی بھٹو ایوب خان کی آمریت کے خلاف جدوجہد کررہے تھے اور اس سلسلے میں حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک اجلاس ہوا جس میں کسان کمیٹی کے بھی بہت سے رہنما موجود تھے۔ بھٹو صاحب ماؤ کیپ پہن کر آئے تھے۔ اس لیے کسان کمیٹی کے لوگ ان سے متاثر تھے۔ کچھ کسانوں نے پیپلز پارٹی میں شمولیت بھی اختیار کرلی پھر مغربی پاکستان کی صورتحال پر سندھ کمیونسٹ پارٹی دوحصوں میں بٹ گئی۔ ایک ٹولا ذوالفقارعلی بھٹو کی حمایت کررہا تھا اور دوسرا مخالفت۔ اس کے بعد احمد خان لغاری، فوٹو رشمانی، نبی بخش 'ہمدرد' زنئور اور دوسرے سندھ عوامی تحریک میں شامل ہوگئے۔ اس طرح یہ کسان کمیٹی خاموشی کا شکار ہوگئی۔ اس ٹوٹ پھوٹ کی بنا پر کتنے ہی کسان کارکنان خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ کسانوں کے اندر وہ نظریاتی پختگی بھی نہ رہی اور نہ ہی تنظیمی طور پر وہ پھر منظّم ہوسکے۔

کسانوں کو فوجی عدالتوں سے کوڑے اور قید کی سزائیں

یحییٰ خان کے مارشل لاء میں طاقت سے چمبڑ کسان کمیٹی کو نشانہ بنایا گیا۔ نواب شاہ کے ایک بڑے زمیندار نے ایک جھوٹا مقدمہ فوجی عدالت میں درج کرایا کہ کسان رہنماؤں نے فائرنگ کی ہے۔ اس مقدمے میں 24 کسانوں پر فرد جرم عائد کی گئی جس میں مارشل لاء قانون کے تحت غداری اور بغاوت کے مقدمات بھی شامل تھے۔ اس مقدمہ کے گواہوں میں 72 جاگیردار اور زمیندار، چار مختیار کار، ایک درجن ڈی ایس پیز اور دوسرے پولیس اہلکار شامل تھے۔ حیدرآباد، میرپور خاص، سانگھڑ اور بدین کی پولیس نے علاقے کا گھیراؤ کیا اور گاؤں میں چھاپے مارنے شروع کیے۔ 15 دن تک پولیس مختلف گاؤں میں منصوبہ بندی کے تحت چھاپے مارتی رہی۔ 13 کسانوں کو علاقے کے ایک جاگیردار نے دھوکے سے گرفتار کروا لیا۔ باقی

بقیہ صفحہ 46 پر دیکھیں

بی ٹی کپاس کی پیداوار، رپورٹ 18-2017

تحریر: امام الدین

کپاس پاکستان کی اہم نقد آور فصل ہے۔ ملکی مجموعی زرعی پیداوار میں کپاس کا حصہ 8.2 فیصد ہے۔[1] پورے ملک میں کل تین ملین ہیکٹر پر کپاس کاشت کی جاتی ہے جوکہ ملک کا 15 فیصد زرعی رقبہ ہے۔[2] پنجاب میں کپاس مئی سے جون کے مہینوں میں لگائی جاتی ہے[3] جبکہ سندھ کے بالائی حصوں میں کپاس کی کاشت عموماً اپریل کے پہلے ہفتے میں شروع ہوتی ہے۔[4] ملک میں 18-2017 میں کپاس 7.68 ملین ایکڑ (3.11 ملین ہیکٹرز) پر لگانے کا ہدف تھا جس کے مقابلے میں 6.803 ملین ایکڑ (2.753 ملین ہیکٹرز) پر کپاس کاشت کی گئی۔[5] پیداواری ہدف 12.6 ملین گانٹھیں، جس میں پنجاب کے لیے 8.8 ملین گانٹھوں کا ہدف، سندھ کے لیے 3.7 ملین گانٹھیں، خیبر پختون خواہ اور بلوچستان سے 0.10 ملین گانٹھوں کا ہدف مقرر کیا گیا تھا۔[6] اس ہدف کے مطابق 18-2017 میں کپاس کی کل پیداوار 11.57 ملین گانٹھیں ہوئیں جس میں سندھ سے 4.24 ملین گانٹھیں اور پنجاب سے 7.31 ملین گانٹھیں پیداوار ہوئی۔[7] کپاس کی پیداوار میں سال 16-2015 کے مقابلے 18-2017 میں 14 فیصد اضافہ ہوا ہے۔[8] حکومت پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق کپاس کی ایک گانٹھ میں تقریباً چار من 10 کلوگرام وزن ہوتا ہے۔[9]

پاکستان کسان مزدور تحریک نے پچھلے سال ہی کی طرح اس سال بھی صوبہ پنجاب اور سندھ کے کسانوں سے کپاس کی پیداواری لاگت اور آمدنی پر معلومات اکٹھی کیں۔ اس تحقیق میں ایک سوال نامہ بنایا گیا جس میں بنیادی سوالات کپاس کی فصل کے حوالے سے رکھے گئے، کچھ سوالات کسان عورتوں کے حوالے سے تھے۔ تیسرا موضوع کسان کی زمینی ملکیت تھا۔ اس تحقیق میں پنجاب میں 120 کسانوں سے اور سندھ میں 121 کسانوں سے معلومات حاصل کی گئیں۔ پنجاب میں ساہیوال سے 30، اوکاڑہ سے چھ، وہاڑی سے 28، ملتان سے 26 اور راجن پور سے 30 کسانوں سے معلومات حاصل کی گئیں۔ سندھ میں گھوٹکی سے 30، خیرپور سے 30، میرپور خاص سے 30 اور سانگھڑ سے 31 کسانوں سے معلومات حاصل کی گئیں۔ یعنی دونوں صوبوں سے کل 241 کسانوں سے معلومات اکٹھی کی گئیں۔

دونوں صوبوں کے کسانوں سے کپاس فی ایکڑ فصل پر آنے والے کل اخرجات کی تفصیلی معلومات حاصل کی گئیں جن میں زمین کی تیاری، بیج، کیمیائی کھاد، دوائی، پانی، چنائی کی مزدوری اور دیگر اخرجات بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ کسان عورت کی اجرت کا ذکر بھی زیرغور تھا۔ کپاس کی فصل پر کیڑوں کے حملے کی معلومات حاصل کی گئیں۔ اس کے علاوہ کسان کی زمینی ملکیت کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی گئیں کہ کسان کے پاس اپنی زمین ہے یا وہ ٹھیکے پر یا حصہ (ہارپے) پر زمین حاصل کرتا ہے۔ دونوں صوبوں کے مختلف اضلاع سے کل 241 ایکڑ (97.5 ہیکٹر) سے کپاس پر پیداواری معلومات حاصل کی گئیں۔

اخراجات

جدول 1 پنجاب: کپاس کی فصل پر پیداواری اخراجات

فی ایکڑ کل خرچ (روپے)	کسان (فیصد)
19,750 - 30,000	4.1
30,001 - 40,000	15
40,001 - 50,000	28.4
50,001 - 60,000	22.5
60,001 - 70,000	17.5
70,001 - 87,900	12.5

پنجاب میں 120 کسانوں کے کپاس کی فصل پر فی ایکڑ کل اخراجات 19,750 سے 87,900 روپے تک دیکھے گئے۔ جس میں 28.3 فیصد کسانوں کے اخراجات 40,001 روپے سے 50,000 روپے کی حد میں تھے (جدول1)۔ پنجاب میں 120 کسانوں کا کپاس پر فی ایکڑ اوسط خرچہ 52,745 روپے دیکھا گیا۔

سندھ میں 121 کسانوں کے کپاس کی فصل پر فی ایکڑ کل

اخراجات 13,944 سے 67,980 روپے کی حد میں دیکھے گئے۔ جس میں 40.5 فیصد کسانوں کے اخراجات 30,001 روپے سے 40,000 روپے کی حد میں تھے (جدول 2)۔ سندھ میں 121 کسانوں سے حاصل کردہ اخراجات کی بنیاد پر کپاس کی فصل کے ایک ایکڑ پر اوسط خرچہ 34,305 روپے دیکھا گیا یعنی سندھ میں پنجاب کے مقابلے فی ایکڑ کپاس پر اخراجات کم بتائے گئے۔

جدول 2 سندھ: کپاس کی فصل پر پیداواری اخراجات

فی ایکڑ کل خرچ (روپے)	کسان (فیصد)
13,944 - 20,000	5.8
20,001 - 30,000	30.6
30,001 - 40,000	40.5
40,001 - 50,000	15.7
50,001 - 67,980	7.4

پیداوار

پنجاب کے 120 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق کپاس فی ایکڑ پیداوار 2.3 من سے لے کر 54 من کی حد میں ہوئی۔ جس میں 35 فیصد کسانوں کی کل پیداوار 11 من سے لے کر 20 من ہوئی (جدول 3)۔

جدول3 پنجاب: کپاس کی فصل سے فی ایکڑ پیداوار

فی ایکڑ کل پیداوار (من)	کسان (فیصد)
2.3 - 10	10
11 - 20	35
21 - 30	34.2
31 - 40	15
41 - 54	5.9
کل پیداوار: 2,848.3	-

جدول 4 سندھ: کپاس کی فصل سے فی ایکڑ پیداوار

فی ایکڑ کل پیداوار (من)	کسان (فیصد)
4 - 10	4.8
11 - 20	35.5
21 - 30	35
31 - 45	24.7
کل پیداوار: 2,973	-

سندھ کے 121 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق کپاس فی ایکڑ پیداوار چار من سے لے کر 45 من کی حد میں ہوئی۔ جس میں 35.5 فیصد کسانوں کی کل پیداوار 11 من سے لے کر 20 من کی حد میں ہوئی (جدول 3)۔

پنجاب کے اور سندھ میں کپاس کی فی ایکڑ پیداوار میں اتنا زیادہ فرق نہیں دیکھا گیا۔ سندھ میں 121 کسانوں کی فی ایکڑ اوسط پیداوار 25 من ہوئی جبکہ پنجاب میں 120 کسانوں کی فی ایکڑ اوسط پیداوار 20 من ہوئی۔

آمدنی

پنجاب میں 120 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق 60.1 فیصد کسانوں کی کل آمدنی فی ایکڑ 1,000 روپے سے 101,050 روپے کی حد میں دیکھی گئی (جدول 5)۔ کپاس کی فصل سے پنجاب میں 120 کسانوں میں 40 فیصد یعنی 48 کسانوں نے 600 روپے سے 57,100 روپے تک کا نقصان درج کروایا جن میں 24.1 فیصد کسانوں کو 600 روپے سے 20,000 روپے کی حد میں نقصان ہوا۔

پنجاب میں کل 18.3 فیصد یعنی 22 کسانوں نے زمین ٹھیکہ پر لی تھی جن میں سے 13 کسان تقصان میں رہے۔ اس کے علاوہ اپنی زمین والے کسانوں میں 25.9 فیصد کسانوں کی کل آمدنی 1,000 روپے سے 20,000 روپے کی حد میں ہوئی جبکہ 16.6 فیصد کسانوں کی کل آمدنی 20,001 روپے سے 40,000 روپے کی حد میں دیکھی گئی۔

جدول5: پنجاب میں کپاس کی فصل سے فی ایکڑ آمدنی/ نقصان

کل آمدنی / نقصان (فی ایکڑ روپے)	کسان (فیصد)	اپنی زمین (عدد)	حصہ پر (عدد)	ٹھیکہ پر (عدد)
1,000 - 10,000	15.9	15	0	4
10,001 - 20,000	10	10	0	2
20,001 - 30,000	8.3	8	1	1
30,001 - 40,000	8.3	9	0	1
40,001 - 50,000	7.5	9	0	0
50,001 - 60,000	5	5	0	1
60,001 - 70,000	2.5	3	0	0
70,001 - 80,000	1.7	2	0	0
80,001 - 101,050	0.9	1	0	0
نقصان 600 - 10,000 -	12.5	9	3	3
10,001 - 20,000 -	11.6	8	0	6
20,001 - 30,000 -	9.2	9	0	2
30,001 - 40,000 -	4.6	3	0	2
40,001 - 57,100 -	2.5	3	0	0

سندھ میں 121 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق 89.3 فیصد یعنی 108 کسانوں کی کل آمدنی فی ایکڑ 2,250 روپے سے 103,300 روپے کی حد میں دیکھی گئی جبکہ 10.7 فیصد یعنی 13 کسانوں نے 600 روپے سے لے کر 57,100 روپے کی حد میں نقصان اٹھایا۔

سندھ میں 29.9 فیصد کسانوں کی 2,250 روپے سے 20,000 روپے کی حد میں آمدنی دیکھی گئی۔ جن میں 13 فیصد یعنی 17 حصہ پر کھیتی باڑی کرنے والے کسان بھی شامل تھے (جدول 6)۔

جدول6: سندھ میں کپاس کی فصل سے فی ایکڑ آمدنی/ نقصان

کل آمدنی/ نقصان (فی ایکڑ روپے)	کسان (فیصد)	اپنی زمین (عدد)	حصہ پر (عدد)	ٹھیکہ پر (عدد)
2,250 - 10,0000	10	9	3	0
10,001 - 20,000	19.9	9	14	1
20,001 - 30,000	18.2	9	12	1
30,001 - 40,000	15.7	11	8	0
40,001 - 50,000	10.7	12	0	1
50,001 - 60,000	4.9	6	0	0
60,001 - 70,000	3.3	4	0	0
70,001 - 80,000	3.3	4	0	0
80,001 - 103,300	3.3	4	0	0
نقصان 340 - 10,000 -	5.8	4	2	1
10,001 - 26,200 -	4.9	6	0	0

جدول7: پنجاب اور سندھ میں فائدے و نقصان میں رہنے والے کسانوں کا تناسب

کسان	اپنی زمین	حصہ پر	ٹھیکہ پر	کل آمدنی	کل نقصان
پنجاب (کل کسان فیصد)	78.3	3.3	18.3	60.1	40
سندھ (کل کسان فیصد)	64.5	32.5	3.3	89.3	10.7

جدول7 میں پنجاب اور سندھ کے کسانوں کی آمدنی اور نقصان پیش کیا گیا ہے۔ یعنی اخراجات کی کل رقم نکالنے کے بعد بچنے والی رقم یا پھر نقصان پر اعداد وشمار پیش کیے گئے ہیں۔

221 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق 60.1 فیصد یعنی 72 پنجاب کے کسان اور 89.3 فیصد یعنی 108 سندھ کے کسانوں نے کپاس کی فصل سے آمدنی حاصل کی جبکہ پنجاب سے 40 فیصد اور سندھ سے 10.7 فیصد کسانوں نے نقصان اٹھایا۔

زمین

پنجاب میں 66.7 فیصد کسانوں کے پاس اپنی زمین تھی جبکہ 33.3 فیصد کسانوں کے پاس زمین نہیں تھی۔ کسانوں کی یہ 33.3 فیصد ٹھیکہ اور حصہ پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ کسانوں کے مطابق ایک ایکڑ کی متاجری زمین کے معیار کے مطابق 15,000 روپے سے 45,000 روپے تک سال بھر کے لیے ہوتی ہے۔ پنجاب میں ساہیوال، وہاڑی اور اوکاڑہ کے کسانوں کے مطابق کپاس کی فصل سے انہیں کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حکومت پنجاب نے صوبے بھر میں وقت سے پہلے کپاس کی بوائی پر دفعہ 144 کے تحت پابندی عائد کردی تھی۔ کسانوں سے معلومات کے مطابق فروری میں کپاس کاشت کرنے سے اچھی پیداوار حاصل ہوتی تھی۔ اب حکومت نے اپریل سے پہلے کپاس کی بوائی کرنے والوں کے خلاف سخت قانونی کاروائی کے ساتھ ان کی فصل کو بھی تباہ کرنے کی انتباہ دی ہوئی ہے۔

سندھ میں 65.3 فیصد کسانوں کے پاس اپنی زمین تھی۔ بے زمین کسانوں میں سے 32.2 فیصد حصہ پر اور 2.7 فیصد کسان ٹھیکہ پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ پنجاب اور سندھ کے کسانوں میں یہ فرق نظر آتا ہے کہ سندھ میں بے زمین کسان زیادہ تر حصہ پر اور پنجاب میں ٹھیکہ پر زمین حاصل کرتے ہیں۔

بیج

پنجاب اور سندھ میں زیادہ بی ٹی کپاس کا بیج لگایا گیا تھا۔ پنجاب سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق 80 فیصد کسانوں نے بی ٹی کپاس کا بیج لگایا۔ 18.3 فیصد کسانوں کو معلوم نہیں تھا کہ کونسا بیج لگایا ہے اور 1.7 فیصد کسانوں نے کپاس کا روایتی بیج لگایا۔ 83.3 فیصد کسانوں نے کپاس کا بیج منڈی سے خریدا تھا۔ کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق فی ایکڑ پر بیج کا خرچ 500 روپے سے 8,000 روپے آیا تھا۔

سندھ میں 82.6 فیصد کسانوں نے بی ٹی کپاس کا بیج لگایا تھا۔ جس میں 30 فیصد کسانوں نے بی ٹی 114 لگایا۔ نو فیصد کسانوں کو بیج کی قسم کے متعلق معلوم نہیں تھا اور 8.6 فیصد کسانوں نے کپاس کا روایتی بیج لگایا۔ دونوں صوبوں میں بی ٹی کپاس کے 65 اقسام لگائے گئے۔ صرف پانچ اقسام روایتی تھے جن میں جمعہ سیڈ، گلیکسی، مبارک، ممتاز اور شاہکار شامل تھے۔

کیمیائی کھاد

پنجاب میں 120 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق کپاس کی فصل پر 120 ایکڑ میں کل 970,790 روپے کھاد کا استعمال ہوا۔ جس میں 56.3 فیصد کسانوں نے 2,001 روپے سے 4,000 روپے کا کھاد استعمال کیا۔

سندھ میں 121 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق کپاس کی فصل پر 121 ایکڑ پر کل 1,127,010 روپے کا کھاد استعمال ہوا۔ جس میں 48 فیصد کسانوں نے 2,001 روپے سے 4,000 روپے کا کھاد استعمال کیا۔ دونوں صوبوں کے کسانوں کے مطابق فصل پر کھاد کی مقدار میں ہر سال اضافہ کیا جارہا ہے لیکن فصل سے انہیں اچھی پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔

بیماریاں

پنجاب میں کسانوں سے کپاس کی فصل پر ہونے والی بیماریوں کے بارے میں بھی معلومات اکٹھی کی گئیں۔ 70.8 فیصد کسانوں نے کسی ایک مخصوص حملے کا ذکر کیا جبکہ 22.5 فیصد کسان نے کئی بیماریوں کی فہرست دی۔ 39.2 فیصد کسانوں نے سفید مکھی، 18.3 فیصد کسانوں نے گلابی سنڈی اور 13.3 فیصد کسانوں نے سبز تیلا کے حملہ کی شکایات درج کروائیں۔ جبکہ مزید 22.5 فیصد کسانوں نے لشکری سنڈی، چت کبری، وائیرس اور دیگر بیماریوں کے بارے میں بتایا۔ 6.5 فیصد کسانوں کو بیماریوں کے متعلق معلوم نہیں تھا۔

اس طرح سندھ میں 121 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق کپاس کی فصل پر ہونے والی بیماریوں میں سب سے زیادہ حملہ گلابی سنڈی کا رہا۔ 33 فیصد کسانوں نے گلابی سنڈی، 17 فیصد کسانوں نے سفید مکھی، 14 فیصد کسانوں نے سبز تیلا اور 27 فیصد کسانوں نے تھرپس، ملی بگ، لشکری، کالا تیلا امریکن سنڈی اور دیگر بیماریوں کی شکایات درج کروائیں۔ باقی 11 فیصد کسانوں کو بیماریوں کے متعلق معلوم نہیں تھا۔

زہریلا اسپرے

زہریلا اسپرے (پیسٹی سائیڈ) کے حوالے سے دونوں صوبوں کے کسانوں

نے بتایا کہ بیماریاں بڑھ جانے کی صورت میں زہریلا اسپرے کا استعمال زیادہ کیا گیا۔ پنجاب میں 120 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق فی ایکڑ پر کسان کل تین سے 16 دفعہ اسپرے کرتے تھے۔ پنجاب میں 61.6 فیصد کسان کپاس فی ایکڑ فصل پر آٹھ سے لے کر 10 دفعہ زہریلا اسپرے کرتے تھے۔ مزید 10 فیصد کسانوں کے مطابق 11 سے 16 دفعہ زہریلا اسپرے کرتے تھے۔

سندھ میں 120 کسانوں کے مطابق فی ایکڑ پر ایک سے 20 زہریلا اسپرے کرتے تھے۔ جن میں 29.7 فیصد کسانوں کے مطابق فی ایکڑ پر تین سے چار دفعہ زہریلا اسپرے کرتے تھے، جبکہ 19.8 فیصد کسانوں کے مطابق فی ایکڑ پر آٹھ سے 10 زہریلا اسپرے کرتے تھے۔ اس کے علاوہ 6.6 فیصد کسانوں کے مطابق فی ایکڑ پر 11 سے 20 اسپرے کرتے تھے۔

چنائی

پنجاب میں 120 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق 71.7 فیصد کسانوں کے کھیت پر چنائی تین سے چار مرتبہ ہوئی۔ اس سال چنائی کم ہوئی اور پیداوار بھی اچھی حاصل نہیں ہوئی۔ پورے ملک میں کپاس کی بوائی اور چنائی زیادہ تر کسان عورتیں کرتی ہیں۔ پنجاب میں کپاس کی چنائی میں 64.2 فیصد کسانوں کے گھر کی عورتیں شامل تھیں۔ یعنی 120 کسانوں میں سے 77 کے اپنے گھر کی عورتیں چنائی میں شامل تھیں۔ باقی 35.8 فیصد کسانوں کے مطابق کپاس کی چنائی میں گھر کی عورتیں شامل نہیں ہوئیں۔ ان 77 کسانوں کے گھر سے جن عورتوں نے کپاس کی چنائی کی میں سے صرف 47 فیصد عورتوں کو اجرت دی گئی جبکہ 53 فیصد کسانوں نے عورتوں کو کپاس کی چنائی کی اجرت نہیں دی۔ پنجاب میں ان 120 کسانوں کی زمین پر کپاس کی چنائی کرنے والی کل کسان مزدور عورتوں کی تعداد اندازاً 1,234 تھی۔

سندھ میں بھی 121 کسانوں سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق 52.9 فیصد کسانوں کے کھیت پر فی ایکڑ کل دو سے تین چنائی ہوئی۔ 121 کسانوں میں سے 50.4 فیصد کسانوں کے مطابق کپاس کی چنائی میں ان کی گھر کی عورتیں شامل تھیں۔ 48.7 فیصد کسانوں کے مطابق کپاس کی چنائی میں گھر کی عورتیں شامل نہیں تھیں۔ یعنی 121 گھرانوں میں سے 61 گھرانوں میں عورتوں نے کپاس کی چنائی میں حصہ لیا۔ ان 61 کسانوں کے مطابق 30 گھر کی عورتوں کو کپاس کی چنائی کی اجرت دی، باقی 31 گھرانوں میں کسان عورتوں کو کپاس کی چنائی کی اجرت نہیں دی گئی۔ سندھ میں ان 121 کسانوں کی زمین پر تقریباً 1,020 کسان مزدور عورتوں نے چنائی کی۔ دونوں صوبوں کے 241 کسانوں کی زمین پر کام کرنے والے کسان مزدور عورتوں کی تعداد تقریباً 2,254 تھی۔

زمین کی صفائی

چنائی کے بعد کپاس میں آخری مرحلہ کٹائی اور زمین کی صفائی کا ہوتا ہے۔ پنجاب میں 95 فیصد کسانوں کے مطابق کٹائی اور زمین کی صفائی کا کام وہ خود کرتے ہیں۔ زمین کی صفائی کے لیے کپاس کی فصل کو جانوروں کے چارے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اسی طرح سندھ میں 99.1 فیصد کسانوں کے مطابق زمین کی کٹائی اور صفائی کسان خود کرتے ہیں۔سندھ میں بھی زیادہ تر کپاس کی فصل کو جانوروں کے چارے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

تجزیہ

پاکستان میں کپاس ایک نقد آور فصل ہے جسے سفید سونا بھی کہا جاتا ہے۔ کپاس سے نہ صرف کپڑا بلکہ تیل اور جانوروں کی خوراک بھی تیار کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کپاس کے پودے سے حاصل لکڑی گھروں میں چولہا جلانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کپاس کی فصل کو غذائی فصلوں کے مقابلے تیار ہونے میں زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔ اخراجات کے حوالے سے حاصل معلومات کے مطابق کپاس کی فصل پر باقی فصلوں کے مقابلے زیادہ اخراجات آتے ہیں۔ بی ٹی کپاس سے پچھلے سال کی طرح اس سال بھی چھوٹے اور بے زمین کسانوں کو نقصان ہوا۔ جس میں پنجاب میں 40 فیصد اور سندھ میں 10.7 فیصد کسانوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔

پنجاب میں کپاس کی فصل سے نقصان کی اہم وجہ ضلع ساہیوال، اوکاڑہ اور وہاڑی میں حکومت پنجاب کی جانب سے گزشتہ سال فروری کے مہینے میں کپاس کی بیجائی پر پابندی تھی۔ پابندی کی وجہ گندم کی فصل ہوسکتی ہے

کیونکہ عام طور پر گندم اکتوبر میں بوئی جاتی ہے اور تیار فصل اپریل تک کاٹی جاتی ہے۔ کپاس سے نقصان کی صورت میں چھوٹے اور بے زمین کسانوں کے معاشی مسائل میں اور بھی اضافہ ہوا۔ ایک طرف مہنگے داموں پر کیمیائی کھاد اور زہریلی ادویات دوسری طرف زیادہ بیماریوں اور کیڑوں کے حملہ کی وجہ سے زیادہ کیمیائی کھاد اور زہریلی ادویات کا استعمال کیا گیا۔ جس سے نا صرف صحت، ماحول پر نقصان کے علاوہ مالی نقصان واضع تھا۔ کپاس کی فصل پر فروری میں پابندی کی وجہ سے پنجاب کے کسان کپاس کی فصل چھوڑ کر مکئی اور گنے کی کاشت کو اپنا رہے ہیں۔ کسانوں کا کہنا تھا کے فروری میں کپاس کاشت کرنے سے فصل سے اچھی پیداوار حاصل ہوتی تھی۔ اب فصل پر زیادہ کیڑوں کے حملہ کی وجہ سے فصل متاثر ہو جاتی ہے جس سے پیداوار میں کمی کا سبب بنتی ہیں۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کپاس کی بہتر پیداوار کے لیے محکمہ زراعت پنجاب نے کسانوں کو کپاس کے صرف منظور شدہ بیج استعمال کرنے کی تجویز دی ہے۔ بی ٹی کپاس کی منظور شدہ اقسام میں ایم ان ایچ۔ 886، وی ایچ۔ 259، بی ایچ۔ 178، سی آئی ایم۔ 602، ایف ایچ۔ 142، آئی یو بی۔ 13، ایم این ایچ۔ 988، وی ایچ۔ 305، اے جی سی۔ 999، اے جی سی۔ 777 شامل ہیں۔ جبکہ روایتی کپاس کے تجویز کردہ بیجوں میں سی ایم۔ 554، نایاب۔ 777، سی آئی ایم۔ 608، سی آر ایس ایم۔ 38، ایس ایل ایچ۔ 317، بی ایچ۔ 167، این آئی بی جی۔ 115، نیاب۔ 852، نایاب۔ 846، نایاب کرن، نایاب۔ 112، سائٹو۔ 124، سی آئی ایم۔ 620 اور نایاب۔ 2008 شامل ہیں۔ محکمہ زراعت پنجاب کا کہنا ہے کہ حکومت نے تجویز کردہ بیجوں کی مطلوبہ مقدار کی منڈی میں موجودگی یقینی بنانے کا بندوبست کیا ہے اور ان بیجوں کی منڈی میں کوئی کمی نہیں ہے[10] جبکہ بی ٹی کپاس کی کاشت سے چھوٹے اور بے زمین کسانوں کو کوئی خاص فائدا حاصل نہیں ہوتا پر اس کے باوجود بھی زیاد تر بی ٹی کپاس لگانے پر توجہ مرکوز کی جارہی ہے۔ زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لیے ہر سال نئے اقسام کی بیجیں متعارف کروائی جاتی ہیں۔ بی ٹی کپاس سے کسانوں کے حالات میں کوئی خاطر خوا بہتری نہیں ہوئی بلکہ ان بیجوں سے کمپنیوں کے منافع میں بے تحاشہ اضافہ ہواہے۔ دوسری طرف کسانوں نے اپنی روایتی اور دیسی بیج جوتھی تقریباً ختم کردی ہیں۔

اس مضمون سے واضح ہے کہ کسان مہنگے داموں پر فصل کاشت کرتے ہیں جبکہ منڈی پر کاروباری اور تجارتی کمپنیوں کے قبضے کے نتیجے میں کسانوں کو فصل کی قیمت پوری نہیں مل پاتی۔

دونوں صوبوں کے چھوٹے اور بے زمین کسانوں کے حالات میں کوئی واضح فرق نظر نہیں آیا۔ فصل سے مسلسل نقصان کی وجہ سے کسان آبادیاں زمین بیچ کر شہروں کی طرف جارہے ہیں۔ کسان عورتیں جو سخت گرمی اور تیز دھوپ میں کپاس کی چنائی کرتے ہیں، کے ہاتھوں میں چھالے اور پیروں میں شدید قسم کے زخم پڑ جاتے ہیں کیونکہ کپاس کی فصل پر زیادہ اسپرے کیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے کسان عورتیں چنائی کرنے کے دوران مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو ہوجاتی ہیں۔ جبکہ ایسا بھی واضع ہے کہ اپنے کھیت پر کسان عورت کو کام کے بدلے اجرت بھی نہیں دی جاتی۔ یاد رہے کے سندھ اور پنجاب میں بیج کی بوائی سے لے کر فصل کی کٹائی اور چنائی کا کام زیادہ تر کسان عورتیں ہی کرتی ہیں۔

حکومت کی جانب اس سال سے کپاس کی پیداوار کا ہدف جوکہ 12 ملین گانٹھ تھا حاصل کیا گیا[11] پر اس کے بدلے میں دن رات کام کرنے والوں چھوٹے اور بے زمین کسانوں کی معاشی حالت میں کوئی تبدیلی سامنے نہیں آئی۔ اگر ہم جدول 5 اور 6 میں پنجاب اور سندھ کے کسانوں کی کل آمدنی پر نظر دوڑائیں تو واضح ہے کہ پنجاب کے 50 فیصد اور سندھ کے 75 فیصد کسان حد سے حد 50,000 روپے آمدنی حاصل کر پارہے ہیں۔ ان کسانوں میں صرف پنجاب سے تقریباً 16 فیصد اور سندھ سے 26.4 فیصد کسان 30,001 سے لے کر 50,000 ہزار تک آمدنی حاصل کر پاتے ہیں۔ اگر ہم 30,000 روپے کو چھ ماہ سے تقسیم کریں تو کسانوں نے اوسط ماہانہ آمدنی 5,000 روپے حاصل کی ہے۔ یعنی اوسط مانتے ہوئے یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ایسے بھی کئی کسان ہیں جن کی آمدنی اس رقم سے بھی کم ہے۔ ان پیسوں سے کسان کو خوارک، شادی بیاہ، تعلیم، صحت اور دیگر اخراجات پورے کرنا پڑتے ہیں جوکہ کپاس سے ہونے والی آمدنی سے ناممکن ہیں۔ گرمی ہو یا ہو سردی کسان پورا سال کام کرتے ہیں۔ زمین کی تیاری سے لے کر فصل کی کٹائی تک سارے کام کسان کی محنت کے بنا ناممکن ہیں، پر اس کے بدلے میں کسان کو مزدوری کے پیسے بھی پورے نہیں مل پاتے۔ اس لیے ملک میں بڑھتی ہوئی بھوک اور بے روزگاری میں سب سے زیادہ تعداد کسان اور

مزدوروں کی ہے۔ یہ سب سے پہلے سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بی ٹی کپاس زہریلے اسپرے اور کیمیائی کھاد کا بے تحاشہ استعمال مانگتی ہے۔ دوسرا یہ کہ بی ٹی کپاس کی پیداوار بے تحاشہ پانی کی محتاج ہے۔ ان حالات میں ہم ایسی فصل کو فروغ دے رہے ہیں جس سے نا کسان گھرانے آباد ہو رہے ہیں اور نا ہی ان فصلوں پر مزدوری کرنے والی مزدور عورتیں۔ کہا جارہا ہے کہ چاول کی فصل پر پابندی اس لیے لگائی گئی ہے کہ اس میں پانی کا زیادہ استعمال ہے۔ کیا کپاس پر نہیں ہے؟ اور آج اگر کسان کپاس اور چاول کی جگہ گنا لگا رہے ہیں تو پھر یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا گنا بھی بے تحاشہ پانی کے علاوہ اگ سکتا ہے؟ اور اگر گنے کی پیداوار بڑھتی گئی جو کہ سال بھر کی فصل ہے، پھر گندم کا کیا ہوگا؟

ان حالات کی ایک اہم وجہ پاکستان میں جاگیردرانہ نظام بھی ہے۔ زمین پر اکثر کام کرنے والے چھوٹے اور بے زمین کسان مزدور جاگیرداروں کی زمینوں پر کام کرتے ہیں۔ اس لیے فصل سے ہونے والی آمدنی جاگیردار کو حاصل ہوتی ہے۔ بڑی بڑی زمینوں پر قبضہ رکھنے والے جاگیرداروں کو عیش وعشرت کی زندگی میسر ہے پر چھوٹے اور بے زمین کسان کی زندگی میں آج بھی بھوک اور مایوسی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

دوسری جانب زراعت کو سرمایہ داری کے اصولوں کے تحت منافع کمانے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ اس لیے گنا، مکئی، سورج مکھی اور کینولا لگانے پر زیادہ توجہ دی جارہی ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ زراعت میں سرمایہ کاری کے نتیجے میں چھوٹے اور بے زمین کسان زراعت سے ہی بے دخل کیے جارہے ہیں۔ مثال کے طور پر حکومت کی جانب سے سال 17-2016 میں کھاد پر مرعات فراہم کی گئیں جس کی وجہ سے کھاد کی خرید و فروخت میں بے تحاشہ اضافہ ہوا۔ یعنی چھوٹے بے زمین کسان قرض میں پھنس گئے اور بڑے زمینداروں نے نقد پر مراعات یافتہ کھاد سستے دام حاصل کی۔ نتیجہ یہ تھا کہ کھاد بنانے والے کارخانوں اور بڑے زمیندار اور جاگیرداروں نے خوب منافع کمایا۔ شاید انہی مداخل کے استعمال کو فروغ دینے کے لیے پچھلے کچھ سالوں سے پورے ملک میں حکومت کی جانب سے خوراک کی فصلیں کم اور نقد آور فصلوں پر زیادہ توجہ دی جارہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سبز انقلاب کی وجہ سے ملک میں زراعت تباہی کی طرف جاچکی ہے اور آج زرعی شعبے میں پانی جیسے سنگین بحران کا معاملہ سنگین حدوں کو چھو چکا ہے۔ اس لیے نہ صرف زراعت بلکہ جنگلات اور جانور بھی متاثر ہورہے ہیں اور کئی معدوم، ہو چکے ہیں۔

ان تمام مسائل کا حل پائیدار زراعت اور زمینوں کی منصفانہ اور مساویانہ تقسیم سے ممکن ہے۔ بیج سے لیکر زراعت کے تمام وسائل اور فیصلہ سازی پر کسانوں کا اختیار ہی کسان و مزدور کو غربت اور ذلت کی زندگی سے نجات دلا سکتا ہے۔ اس کو پاکستان کسان مزدور تحریک خوراک کی خود مختاری کہتی ہے۔ یقیناً اس نظریہ کے حصول کے لیے جدوجہد کی کئی کٹھن راہیں ہماری منتظر ہیں۔

حوالاجات

1. Jamal, Nisa. "Cotton belt under distress." Dawn, November 02, 2015. Accessed from https://www.dawn.com/news/1216848
2. Pakistan.com. "The role of cotton in Pakistan." Pakistan.com, 2017. Accessed from http://www.pakissan.com/english/allabout/crop/cotton/the.role.of.cotton.in.pakistan.shtml
3. USDA. "Pakistan cotton conditions improve." USDA, October 05, 2016. Accessed from https://ipad.fas.usda.gov/highlights/2016/10/Pakistan/index.htm
4. Zuber, M.A. "Low cotton output to have negative impact on GDP growth". Business Recorder, May 09, 2018. Accessed from https://fp.brecorder.com/2017/05/20170507176524/
5. Amin, Tahir. "Revised cotton production target missed." Business Recorder. February 27, 2018. Accessed from https://fp.brecorder.com/2018/02/20180227347413/
6. Amin, Tahir. "CCAC to revise cotton production estimates to 12.9 million bales." Business Recorder, November 02, 2017. Accessed from https://fp.brecorder.com/2017/11/20171102231584/
7. Business Recorder. "PAD striving hard to achieve cotton sowing target." Business Recorder, April 19, 2018. Accessed from https://epaper.brecorder.com/2018/04/19/13-page/711523-news.html
8. Rana, Ishfaq Parvaiz. "Sindh lifts overall cotton production." Dawn, April 4, 2018. Accessed from https://www.dawn.com/news/1399472
9. Dawn. "170kg average weight of cotton bale." Dawn, December 30, 2003 Accessed from https://www.dawn.com/news/131524
10. Business Recorder. "Cotton growers advised to use only approved cotton seed varieties." Business Recorder, April 21, 2018. Accessed from https://epaper.brecorder.com/2018/04/21/7-page/711842-news.html
11. Rana, Ishfaq Parvaiz. "Sindh lifts overall cotton production." Dawn, April 4, 2018. Accessed from https://www.dawn.com/news/1399472

نیولبرل زرعی اصلاحات اور پنجاب

تحریر: جنید احمد

حکومت پنجاب کی جانب سے صوبے میں کسانوں کی حالت بہتر بنانے، زرعی پیداوار میں اضافے کے لیے بڑے پیمانے پر زرعی شعبے میں اصلاحات خصوصاً جدید زراعت کو فروغ دینے کا عمل جاری ہے۔ پنجاب حکومت نے حال ہی میں زرعی شعبے بشمول مال مویشی شعبے میں پیداواری طریقوں میں جدت لانے اور زرعی منڈی میں اصلاحات کے لیے عالمی بینک کے ساتھ 300 ملین ڈالر کے ایسے ہی ایک پانچ سالہ منصوبے "اسٹرینتھنگ مارکیٹ فار ایگری کلچر اینڈ رورل ٹرانسفورمیشن ان پنجاب"، یعنی پنجاب میں زراعت کے لیے منڈی کے استحکام اور دیہی اصلاحات کے منصوبے پر 2 فروری، 2018 کو دستخط کیے ہیں۔ اس معاہدے کو اسمارٹ (SMART) کے مخفف سے بھی جانا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ اس منصوبے کے ذریعے زرعی شعبے کو جدید طریقوں سے ہم آہنگ کرکے پیداوار میں اضافہ مقصود ہے۔ حکومت پنجاب اور عالمی بینک کے "زرعی منڈی کے استحکام اور دیہی اصلاحات" کے اس منصوبے کے بنیادی مقاصد تین شعبہ جات میں اقدامات یا اصلاحات (ایکٹوٹیز) پر مبنی ہیں۔ ان میں شامل ہیں:

1۔ زرعی پیداوار میں اضافہ، مال مویشی اور فصلوں کی قدر میں اضافہ[1]

- کسانوں خصوصاً چھوٹے کسانوں کو معیاری زرعی مداخل تک الیکٹرونک واؤچر (ای واؤچر) کے ذریعے رسائی فراہم کرنا۔

ای واؤچر ایسی پرچی کو کہتے ہیں جس پر درج معلومات کو بذریعہ کمپیوٹر برقی رابطہ کاری (آن لائن) بھی دیکھا جاسکتا ہے اور شناخت کیا جاسکتا ہے۔ منصوبے کے مطابق محکمہ زراعت پنجاب پانچ ایکڑ تک زمین رکھنے والے کسانوں کو زرعی مداخل پر ای واؤچر کے ذریعے زرتلافی فراہم کرے گی اور ان کسانوں کی تعداد کو 2021 تک 25,000 سے بڑھا کر 200,000 کیا جائے گا۔

- زرعی اور مال مویشی شعبے میں تحقیق اور تربیت کی سہولیات (ایکسٹینشن سروسز) کو بہتر بنانا اور اس مقصد کے لیے مالی مدد میں اضافہ کرنا۔
- مال مویشی شعبے میں مویشیوں کے علاج معالجے، بیماریوں کی نگرانی (سرویلنس) اور ٹیکہ جات کی سہولیات میں بہتری۔
- منڈی میں اہمیت رکھنے والے مویشیوں (ہائی ویلیو اسٹاک) کی افزائش کو بہتر بنا کر مال مویشی شعبے میں پیداوار میں اضافہ۔
- گندم کی خریداری اور کاروباری نظام کو جدید بنانا۔

گندم کے کاروباری (مارکیٹنگ) نظام کو جدید بنانا، ہائی ویلیو ایڈڈ زراعت کو فروغ دینا اور اس شعبے میں حکومتی سرمایہ کاری میں اضافہ۔ اس مقصد کے لیے پنجاب حکومت گندم کی سرکاری خریداری اور اس کے ذخائر میں مرحلہ وار کمی کرے گی۔ سال 2019 میں حکومت پنجاب گندم کی خریداری کو کم کرکے تین ملین ٹن پر لے آئے گی اور ہر سال اس خریداری میں کمی کرتے ہوئے 2021 میں گندم کی خریداری سے مکمل طور پر الگ ہوجائے گی اور گندم کے سرکاری ذخائر کو دو ملین ٹن تک محدود کرے گی۔ گندم کے اس ذخیرے کو محفوظ کرنے کے لیے نجی سرکاری شراکت میں گودام تعمیر کرے گی جس کی گندم ذخیرہ کرنے کی صلاحیت دو ملین ٹن تک ہو۔ پنجاب اسمبلی 2018 میں ایگری کلچرل مارکیٹنگ ریگولیٹری اتھارٹی (Punjab Agricultural Marketing Regulatory Authority/PAMRA) ایکٹ منظور کرے گی اور 2021 تک یہ یقینی بنائے گی کہ تمام زرعی پیداوار کا کاروبار (مارکیٹنگ) اسی قانون کے تحت کیا جائے۔

- زراعت میں قدر میں اضافے کو فروغ دینا اور اس مقصد کے لیے سرکاری سرمایہ کاری (پبلک کیپٹل انویسٹمنٹ) میں اضافہ۔
- زیادہ پیداوار دینے والی نسلوں کی افزائش کے ذریعے مال مویشی شعبے

کی پیداوار میں اضافہ۔

2۔ فصلوں اور مال مویشی شعبے میں ویلیو ایڈیشن اور مسابقت میں اضافہ

- اگیری بزنس اور انوویشن فنڈ کے قیام کے ذریعے زراعت اور مال مویشی شعبے میں ویلیو چین (یعنی ایک شے سے دیگر زیادہ مالیت والی اشیاء حاصل کرنا) اور ان اشیاء کی قدر میں اضافے (ویلیو ایڈیشن) کو ترقی دینا، اس اضافے کے لیے صلاحیت میں اضافے (کپیسٹی بلڈنگ) کے لیے تربیت فراہم کرنا۔
- دودھ اور گوشت کی منڈی کی بنیاد پر قیمت کے تعین کے لیے اصلاحات کے ذریعے مال مویشی شعبے کے لیے منڈی کو جدید اور بہتر بنانا۔
- زرعی پیداوار کے کاروبار (مارکیٹنگ) کے لیے شرائط و ضوابط (ریگولیٹری فریم ورک) لاگو کرنا اور اداروں کو بہتر بنانا۔
- مال مویشی منڈی میں نجی سرمایہ کاری کو ممکن بنانا
خوراک کی جانچ کرنے والی لیبارٹریوں / انفرا اسٹرکچر کے قیام کے ذریعے خوراک کے تحفظ (فوڈ سیفٹی) کی صورتحال کو بہتر بنانا۔

اس مقصد کے لیے پنجاب حکومت 2019 میں دودھ اور گوشت کی قیمت کو منڈی سے منسلک کرنے کا اعلان اور اس پر عملدرآمد کرے گی اور سال 2022 تک اس عمل کو مکمل کرلیا جائے گا۔اس مقصد کے لیے محکمہ خوراک پنجاب خوراک کی جانچ کے لیے (ISO/IEC 17025:2005 معیار کی) فوڈ ٹیسٹنگ لیبارٹری قائم کرے گی۔ ان لیبارٹریوں کا دائرہ کار 2022 تک مختلف ڈویژن میں گشتی لیبارٹریوں (موبائل لیب) کے ذریعے بڑھایا جائے گا۔

3۔ چھوٹے کسان کی موسمی تبدیلی اور قدرتی آفات سے مطابقت کو بہتر بنانا

- کلائمٹ اسمارٹ اگیری کلچر میں سرکاری سرمایہ کاری میں اضافے کے ذریعے چھوٹے کسانوں میں موسمی تبدیلی اور قدرتی آفات سے مطابقت میں اضافہ کرنا۔
- زرعی بیمہ کا اجراء۔

محکمہ زراعت پنجاب پانچ سالہ بیمہ پلان تیار کرکے چاول اور کپاس کی فصلوں کے لیے ابتدائی طور پر 50,000 بیمہ پالیسیاں جاری کرے گی جسے مرحلہ وار بڑھا کر 2022 تک 1,000,000 تک بڑھایا جائے گا۔

- پانی کے تحفظ کو فروغ دینے کے لیے ادارہ جاتی (ریگولیٹری) سطح پر اصلاحات کرنا۔
- پنجاب میں آبیانے کی وصولی (اور اس کی جانچ پڑتال) کو بہتر بنا کر پنجاب کے آبپاشی نظام کی مالی حیثیت کو بہتر بنانا۔ آبپاشی نظام کی پائیداری اور اس کی افادیت میں بہتری۔

اس مقصد کے لیے محکمہ آبپاشی پنجاب سال 2019 آبیانہ کی وصولی کو 75 فیصد تک بڑھائے گی جسے 2022 تک 90 فیصد تک بڑھایا جائے گا۔ اس کے علاوہ محکمہ آبپاشی پنجاب 2021 میں پنجاب بھر میں ٹیوب ویلوں کا اندراج (رجسٹریشن) کرے گی۔

- منصوبے میں حصہ لینے والے اداروں کی منصوبے پر عملدرآمد کی صلاحیت (آپریشنل کپیسٹی) میں اضافہ کرنا بشمول سالانہ کام کی منصوبہ بندی اور ان اداروں کی منصوبے سے فائدہ حاصل کرنے والوں کی رائے (فیڈ بیک) حاصل کرنے کا نظام۔
- منصوبے میں حصہ لینے والے اداروں کے درمیان جدید برقی اطلاعاتی رابطہ (ICT بیسڈ) نظام پر مبنی جانچ اور نگرانی کا نظام قائم کرنا۔

پنجاب حکومت کی منصوبے پر جاری پیش رفت

معیاری زرعی مداخل تک رسائی:

کسانوں کی معیاری زرعی مداخل یعنی بیج، کھاد اور زرعی ادویات تک رسائی کو

آسان بنانے کے لیے حکومت پنجاب بیج اور کھاد پر دی جانے والی زرتلافی کو جدید اطلاعاتی اور رابطہ گیری نظام ای واؤچر سے منسلک کر رہی ہے جس کا مقصد ہے کہ زرتلافی صرف رجسٹرڈ کسانوں کو براہ راست ادا کی جائے نہ کہ کھاد کمپنیوں کے ذریعے۔ پنجاب انفارمیشن ٹیکنالوجی بورڈ کی تیار کردہ ویب سائٹ پر کسانوں کو کھاد پر دی جانے والی زرتلافی کی معلومات دستیاب ہونگی۔ کمپنیاں کھاد کی بوری میں کمپیوٹرائزڈ پرچی ڈالیں گی جسے کسان حاصل کرکے اس پرچی پر موجود کوڈ کو دیے گئے نمبر پر موبائل پیغام کے ذریعے بھیجے گا جس کے بعد کسان کو تصدیقی پیغام موصول ہوگا اور وہ شناختی کارڈ اور موبائل پیغام دکھا کر ڈیلر سے زرتلافی وصول کر سکے گا۔ پنجاب حکومت نے کھاد پر زرتلافی کو محدود کرنے کا عمل شروع کر دیا ہے اور ابتدائی طور پر حالیہ بجٹ میں کھاد پر زرتلافی دینے کے بجائے سیلز ٹیکس کی شرح کو پانچ فیصد سے کم کرکے دو فیصد کر دیا ہے۔

زیادہ پیداوار دینے والی نسلوں کی افزائش:

حکومت پنجاب نے حالیہ بجٹ میں افزائش نسل کے لیے غیرملکی نسل کے بیلوں کی درآمد پر عائد تین فیصد محصول ختم کردیا ہے۔ اس کے علاوہ مویشیوں کے چارے کی درآمد پر بھی عائد 10 فیصد محصول کو کم کرکے پانچ فیصد کردیا گیا ہے۔

کلائمٹ اسمارٹ ایگری کلچر:

کلائمٹ اسمارٹ ایگری کلچر کو صوبے میں فروغ دینے کے لیے پنجاب انفارمیشن ٹیکنالوجی بورڈ موبائل ایپلیکیشن جاری کر رہی ہے جس کے ذریعے فصلوں کی بہتر پیداوار کے لیے کسان زرعی ماہرین سے مشاورت کرسکیں گے، موسمی صورتحال اور پیشنگوئی حاصل کرسکیں گے۔ کسانوں کی اس ایپلی کیشن تک رسائی کے لیے خادم اعلی پنجاب کسان پیکج کے تحت ابتدائی طور پر پنجاب حکومت رجسٹرڈ کسانوں میں 110,000 اسمارٹ فون فراہم کرے گی۔ مزید یہ کہ کسانوں کو اسمارٹ ایگری کلچر سے متعارف کروانے اور انہیں تربیت فراہم کرنے کے لیے موبائل کمپنی ٹیلی نار کے تعاون سے سہولت مراکز بھی قائم کیے جائیں گے۔ حکومت پنجاب رواں سال موسمی تبدیلی سے نمٹنے کے لیے 2.25 بلین روپے سے جدید آبپاشی نظام متعارف کرنے پر توجہ دے رہی ہے۔ 11,000 ایکڑ زمین پر قطرہ قطرہ آبپاشی نظام قائم کیا جاچکا ہے جبکہ 1,500 ایکڑ زمین پر شمسی توانائی سے چلنے والا فوارہ (اسپرنکلر) آبپاشی نظام بھی نصب کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت پنجاب کلائمٹ اسمارٹ ایگری کلچر کو فروغ دینے کے لیے نظام شمسی کی تنصیب پر 80 فیصد، ٹنل فارمنگ پر 50 فیصد جبکہ فوارہ آبپاشی نظام (اسپرنکلر اریگیشن) کی تنصیب پر 60 فیصد زرتلافی فراہم کر رہی ہے۔

گندم کی محدود خریداری:

پنجاب حکومت نے گندم کی سرکاری خریداری کو مرحلہ وار کم کرنے کا آغاز کرتے ہوئے اس سال صوبے بھر سے گندم کی خریداری کا ہدف چار ملین ٹن مقرر کیا ہے جو گزشتہ سال 4.5 ملین ٹن تھا۔ گندم کی خرید وفروخت کے نظام کو جدید بنانے اور اس کے نفاذ کے لیے حکومت پنجاب نے مئی 2018 میں PAMRA (پامرا) ایکٹ کو منظور کرلیا۔

دودھ اور گوشت کی قیمت پر سرکاری اختیار کا خاتمہ:

حال ہی میں یونیورسٹی آف ویٹرنری اینڈ اینمل سائنسس لاہور کے ماتحت کام کرنے والے ادارے دی سینٹر فار اپلائیڈ پالیسی ریسرچ ان لائیو اسٹاک نے ایک پالیسی مسودہ تیار کیا ہے جس میں ڈیری شعبے پر عائد محصولات کو صفر درجہ پر لانے اور مویشیوں کے باڑوں (فارم) میں استعمال ہونے والی مشینری کی درآمد پر محصول میں کمی یا مکمل چھوٹ کی تجویز دی گئی ہے۔ اسی پالیسی میں حکومت سے دودھ اور گوشت کی قیمت پر سرکاری اختیار کے خاتمے کی سفارش کی گئی ہے۔

تجزیہ

پاکستانی معیشت کی بنیاد زرعی پیداوار ہے اور اہم ملکی صنعت کا دارومدار بھی زرعی پیداوار پر ہی ہے چاہے وہ کپاس ہو یا گنا۔ ملک میں بڑے پیمانے پر غذائی اور نقد آور فصلوں کی پیداوار عالمی زرعی کمپنیوں اور سرمایہ دار ممالک کے

لیے ایک پرکشش منڈی ہے جس پر قبضے کے لیے ملک میں زرعی اصلاحات کا عمل 1960 کی دہائی سے شروع ہوکر تاحال جاری ہے۔

گوکہ 1990 سے پہلے ہی ملک میں اسٹرکچرل ایڈجسمنٹ پروگرام یعنی نجکاری، ڈی ریگولیشن اور آزاد تجارتی پالیسیوں پر عمل درآمد شروع ہوچکا تھا لیکن 1994 میں ملک میں نجی شعبہ کی بھرپور حوصلہ افزائی کی گئی خصوصاً نجی کمپنیوں کو ملک میں بیج کی پیداوار اور اس کی فروخت کی اجازت دی گئی2۔ میاں محمد نوازشریف اور شہباز شریف کی قیادت میں پاکستان مسلم لیگ کی ہر حکومت نے بھی بین الاقوامی سرمایہ داروں کے لیے آزاد تجارتی پالیسیوں کو فروغ دیا اور قانون سازی کی۔ بیج کا ترمیمی قانون ہو یا پلانٹ بریڈرز رائٹس کا قانون، چاہے کسانوں کو دی جانے والی زرتلافی میں کمی یا خاتمہ غرض ملکی زراعت کو غذائی ضرورت اور تحفظ سے تجارتی جنس بنا کر بین الاقوامی منڈی سے منسلک کرنے کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھارکھی گئی۔ حال ہی میں پنجاب حکومت کا عالمی بینک کی مدد سے زراعت میں اصلاحات کا شروع کیا گیا منصوبہ اس عمل کو مکمل کرنے کی طرف ایک بڑا قدم ہے جسے شاید حکمران طبقہ چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) کے تناظر میں جلد از جلد مکمل کرنے کے درپہ ہے۔ اس منصوبے کے کچھ اہم نکات اور اہداف کی وضاحت اور اس کے ممکنہ اثرات درج ذیل ہیں۔

پنجاب حکومت اور عالمی بینک کا اسمارٹ منصوبہ مجموعی طور پر تقریبا پورے زرعی شعبے کا احاطہ کرتا ہے اور شاید ہی زراعت کا کوئی ذیلی شعبہ ہو جس میں اصلاحات تجویز نہ کی گئی ہوں۔ کسانوں کو زرعی مداخل کی فراہمی سے لیکر پیداواری مراحل اور اس کے بعد حاصل ہونے والی پیداوار کے کاروبار کے حوالے سے یہ منصوبہ پالیسی پیش کرتا ہے۔ نا صرف زرعی پیداوار کے کاروبار بلکہ اس کی قدر میں اضافے (ویلیو ایڈیشن) اور خرید و فروخت کے مختلف مراحل (ویلیو چین) کے حوالے سے بھی اصلاحات اس منصوبے میں شامل کی گئی ہیں۔ اگر اس منصوبے کو ملک کی زرعی معیشت کو مکمل طور پر نیولبرل پالیسیوں کے تابع کرنے کی کوشش قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ زرعی شعبے میں سب سے زیادہ پیداوار دینے والا صوبہ پنجاب ہی ہے۔ اس کا اندازہ ان اعدادوشمار سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ 2016-17 میں ملک میں صرف گندم کے کل زیر کاشت رقبے 9.05 ملین ہیکٹر میں سے 6.75 ملین ہیکٹر (74.6 فیصد) پر پنجاب میں گندم کاشت کی گئی تھی۔

معیاری مداخل تک رسائی یا گلے کا پھندا:

1960 کی دہائی میں متعارف کردہ سبز انقلاب بھی پیداوار میں بھرپور اضافے اور کسانوں کی خوشحالی کے دعوے کے ساتھ پیش کیا گیا تھا جس سے نہ تو ملک سے غربت ختم ہوئی اور نہ ہی کسان خوشحال ہوا ماسوائے زرعی مداخل کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے کہ جن کی دولت میں کئی گنا اضافہ ہوچکا ہے لیکن ملکی زراعت آج کھاد، زیادہ پیداوار دینے والے بیجوں اور زرعی زہر کی محتاج ہوچکی ہے۔ جینیاتی اور ہائبرڈ بیجوں کے ساتھ موسمی تبدیلی سے مطابقت (کلائمٹ اسمارٹ ایگری کلچر) کے نام پر پیش کردہ نئی ٹیکنالوجی اور جدت پر مبنی زراعت ایک نیا ''سبز انقلاب'' ہے۔ 60 کی دہائی کے ''سبز انقلاب'' نے کسانوں کو ان کے روایتی بیجوں سے محروم کرکے بیج اور دیگر مداخل بنانے والی کمپنیوں کا محتاج کیا۔ جدت کے لبادے میں لپٹا یہ نیا سبز انقلاب پیداواری لاگت میں اضافہ کرکے چھوٹے اور بے زمین کسانوں کو زراعت سے ہی بیدخل کرنے کے درپہ ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس منصوبے کے ذریعے حکومت صوبے میں زراعت کے شعبہ کو عالمی منڈی کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے اور بین الاقوامی زرعی کمپنیوں کے کاروبار اور ان کے منافع میں اضافے کی راہ ہموار کررہی ہے۔ عین ممکن ہے کہ چھوٹے بے زمین کسان اس نئی مقابلہ سازی کی راہوں پر دوڑنے میں ناکام ہوکر صرف مزدور بن کر رہ جائیں گے اور کسان کے درجہ سے ہی محروم کردیے جائیں گے۔

چندسالوں سے حکومت پیداواری لاگت کم کرنے کے لیے کسانوں کو کھاد پر زرتلافی فراہم کررہی ہے جو آزاد تجارتی اصولوں کے خلاف ہے۔ کھاد جیسے مداخل پر زرتلافی کی فراہمی کے مرحلہ وار خاتمے کے لیے ہی عالمی بینک کے اسمارٹ منصوبے میں زرتلافی ای واچر کے ذریعے صرف اندراج شدہ کسانوں کو ادا کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ اسی طرح زرعی مشینری اور آلات بھی پنجاب حکومت صرف اندراج شدہ کسانوں کو زرتلافی کے ساتھ فراہم کررہی ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ سبز انقلاب کے تحت آغاز میں زرعی مشینری، بیج اور کھاد زرتلافی کے ساتھ اور مفت بھی تقسیم کیے گئے تھے اور مرحلہ وار یہ تمام مراعات کسانوں سے آزاد تجارتی پالیسیوں کے تحت ہی واپس لے لی گئیں جو پیداواری لاگت میں اضافے کی بنیادی وجہ

بنا۔ ای واؤچر، اسمارٹ فون کے ذریعے جدید طریقوں کا استعمال کسانوں کی پیداوار لاگت کو مزید بڑھائے گا نہ کہ کم کرے گا جس سے فائدہ بیج، زرعی مشینری اور اطلاعاتی ٹیکنالوجی فراہم کرنے والے پہلی دنیا کے سرمایہ دار ممالک کی کمپنیوں کو ملک میں کاروبار اور منافع میں اضافے کی صورت ہی ہوگا۔

اسمارٹ منصوبے پر عملدرآمد دراصل پنجاب حکومت کی نیولبرل پالیسوں پر زرعی معیشت کو استوار کرنے کی جانب حتمی قدم ہے جس پر گذشتہ کئی سالوں سے پلانٹ بریڈرز رائٹس، بیج کے ترمیمی قانون کے نفاذ اور آبپاشی نظام میں اصلاحات کی صورت سفر جاری تھا۔

مال مویشی شعبے میں اصلاحات:

مال موشی شعبہ پاکستان کی زراعت کا اہم ترین جز ہے جو ملک میں دیہات میں رہنے والی اکثریتی آبادی کے روزگار اور آمدنی کا اہم ذریعہ ہے۔ ملک میں تقریبا 8.5 ملین خاندان چھوٹے پیمانے پر مال مویشی پالتے ہیں جو دودھ اور گوشت کی پیداوار کرتے ہیں۔ پنجاب لائیواسٹاک اینڈ ڈیری ڈیولپمنٹ بورڈ کے سیکریٹری نسیم صادق خود اعتراف کرتے ہیں کہ ''ماضی میں مال مویشی شعبے میں امریکی اور آسٹریلوی طرز پیداوار اپنائے گئے جو کامیاب نہیں رہے، یہاں صرف مقامی طرز پیداوار ہی کامیاب ہوسکتا ہے جہاں ہر 150 کلومیٹر کے بعد گائے اور بھینس کی نئی نسل دیکھی جاسکتی ہے''۔

آزاد تجارتی معاہدوں کی پاسداری اور ملک میں غیر ملکی ڈیری کمپنیوں کے لیے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے مواقع فراہم کرنے کے لیے حکومت پہلے بھی امریکی اور آسٹریلوی امداد سے منصوبے مکمل کرچکی ہے۔ اسمارٹ منصوبے میں ایک بار پھر مال مویشی شعبے میں غیر ملکی کمپنیوں کے کردار میں اضافے کے لیے نا صرف تحقیق کے لیے رقم مختص کی گئی ہے بلکہ زیادہ پیداوار دینے والے مویشیوں کی افزائش نسل کو بھی بہتر بنانا منصوبے کا حصہ ہے۔ مال مویشی شعبے میں دیہی عورتوں اور نوجوانوں کو تربیت دینے کے منصوبے اسی مقصد کے تحت شروع کیے جاتے ہیں کہ ان افراد کے ذریعے غیرملکی کمپنیوں کی منصوعات جیسے تیار شدہ چارہ، ادویات، افزائش نسل کے لیے مادہ منویہ وغیرہ کے کاروبار کو ترقی دی جاسکے۔

مال مویشی شعبے میں مزید ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے دودھ اور گوشت کی قیمت پر سرکاری اختیار کے خاتمے کا ہدف بھی منصوبے میں شامل کیا گیا ہے۔ مال مویشی شعبہ بین الاقوامی کمپنیوں کے لیے فصلوں کے بعد سب سے پرکشش منڈی ہے۔ پنجاب بھر میں پنجاب فوڈ اتھارٹی کے ذریعے کھلے دودھ اور گوشت کی فروخت کے خلاف معیار کو بنیاد بنا کر باقائدہ طور پر مہم کے ذریعے چھوٹے پیمانے پر دودھ اور گوشت کا کاروبار کرنے والوں کے راستے بند کیے جارہے ہیں جس کا براہ راست فائدہ عمل شدہ (پروسیسڈ) دودھ اور گوشت کی کمپنیوں کو ہی ہوتا ہے۔ لیکن ان کمپنیوں کے کاروبار میں اضافے میں سب سے بڑی رکاوٹ کھلی اور پیک شدہ مصنوعات میں قیمت کا فرق ہے۔ ان کمپنیوں کے کاروبار میں اضافہ اسی صورت ہوسکتا ہے کہ جب کھلی اشیاء فروخت کرنے والوں اور کمپنیوں کی قیمت فروخت میں فرق کو کم سے کم کیا جائے۔ اسی مقصد کے تحت اب شاید قیمت کو آزاد کرکے ان کمپنیوں کے لیے رکاوٹیں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ مال مویشی شعبے کو صنعتی بنیادوں پر ترقی دینے اور صوبے بھر میں چھوٹے کسانوں کی جانب سے پالے جانے والے مویشیوں کی پیداوار میں اضافے کے لیے مخصوص چارے، افزائش نسل کے لیے استعمال ہونے والے غیر ملکی نسل کے مویشی، ادویات، باڑوں میں استعمال ہونے والی دیگر مشینری بھی زیادہ تر درآمد کی جارہی ہیں جن پر حال ہی میں حکومت نے محصولات میں کمی اور چھوٹ کا اعلان بھی کیا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ جدید ٹیکنالوجی ترقی یافتہ ممالک کی بڑی بڑی کمپنیاں ہی پاکستان کو فروخت کررہی ہیں۔ درحقیقت انہی کے مفاد کے لیے عالمی بینک جیسے ادارے ''اسمارٹ'' منصوبے تیار کرتے ہیں۔ کسانوں کو مویشی پالنے کے طریقوں اور زیادہ پیداوار کے حصول کی تربیت بھی اسی مقصد کے تحت دی جاتی ہے کہ ان ہی کمپنیوں کی ادویات، چارہ اور افزائش نسل کے لیے درکار سہولیات کے کاروبار کو فروغ دے کر ان کے منافع میں اضافہ کیا جائے۔ پاکستان میں ایسی ہی خدمات فراہم کرنے والی کمپنی میکسم انٹرنیشنل اس کی ایک مثال ہے جس کا امریکی اور دیگر بین الاقوامی کمپنیوں کے ساتھ اشتراک ہے۔

گندم کی خریداری اور کاروباری نظام میں جدت:

پاکستان میں گندم کی کل پیداوار تقریبا 26 ملین ٹن ہوتی ہے جو ملکی ضرورت

سے تقریباً ایک ملین ٹن زیادہ ہے اور ہرسال اضافی گندم ملک میں دستیاب ہوتا ہے۔صوبے کے کسانوں کی اکثریت ربیع کے موسم میں گندم کاشت کرتی ہے جس سے سارا سال کسان گھرانوں کی غذائی ضرورت پوری ہوتی ہے اور ساتھ ہی دیگر ضروریات پوری کرنے کے لیے آمدنی کا ذریعہ بھی ہے۔ جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا کہ اسمارٹ منصوبے کے تحت زرعی پیداوار کے کاروبار کے حوالے سے کی جانے والی اصلاحات میں گندم کی امدادی قیمت ختم کر کے اس کے ذخائر کو بھی محدود کیا جائے گا۔ پنجاب حکومت کی گندم کی خریداری اور اس کے سرکاری ذخیرے سے دستبرداری سے صوبے کے کسانوں پر شدید منفی اثرارت مرتب ہونگے اور گندم کی کاشت کے رجحان میں بھی کمی آسکتی ہے۔ گو کہ اس وقت حکومت پنجاب کی جانب سے گندم کی خریداری جاری ہے اس کے باوجود صوبے کے چھوٹے کسانوں کی اکثریت سرکاری نرخ پر گندم فروخت کرنے کی سہولت سے محروم رہ جاتی ہے کیونکہ گندم کی سرکاری خریداری اس کی منڈی میں موجود مقدار کے مقابلے کہیں کم ہے اور چھوٹے کسان اپنی پیداوار کھلی منڈی میں فروخت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جہاں قیمت گندم کی کٹائی کے موسم میں گر کر 1,050 ۔ 1,100 روپے فی من کی سطح پر آجاتی ہے جبکہ گندم کی سرکاری قیمت 1,300 روپے فی من ہے۔ گندم کی خریداری کے عمل سے دستبرداری کے نتیجے میں کسان منڈی کے رحم و کرم پر ہونگے جس میں ہرگز یہ ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ کسان کو اس کی پیداوار کی اتنی بھی قیمت ملے گی۔ خصوصاً اس وقت کے جب ملکی زرعی منڈی کو بین الاقوامی منڈی سے براہ راست منسلک کردیا جائے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ کسان گندم کی چھ ماہ کی فصل سے ایک ایکڑ زمین سے 5,000 روپے ماہانہ سے زائد آمدنی حاصل نہیں کرسکتا۔

پامرا کی منظوری منڈی میں کی جانے والی ان اصلاحات کا تسلسل ہی ہے۔ حکومت کی جانب سے گندم کی خریداری کے عمل سے دستبرداری عوام کو غذائی تحفظ فراہم کرنے کی آئینی ذمہ داری سے انحراف کے مترادف ہے۔ موسمی تبدیلی، پانی کی کمی، پیداواری لاگت میں اضافہ اور منڈی میں گندم کی قیمت کے حوالے سے غیر یقینی کیفیت کسانوں کو دیگر نقد آور فصلوں کی کاشت کی طرف راغب کرسکتی ہے۔ ایسی صورتحال میں گندم کی پیداور میں کمی کے نتیجے میں ملک میں گندم کی قیمت بڑھ سکتی ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں تقریباً آدھی آبادی غذائی کمی کی شکار ہو وہاں ایسی حکمت عملی چھوٹے اور بے زمین کسان مزدوروں اور دیگر استحصال کے شکار طبقات کو مزید غربت اور بھوک میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ صوبے میں گندم کے سرکاری ذخائر صرف دو ملین ٹن تک محدود کرنا اور انہیں بھی نجی کمپنیوں کے گوداموں میں ذخیرہ کرنا عوام کو کسی بھی ناگہانی آفت کے دوران بھوک سے دوچار کرسکتا ہے۔ یہ خدشات اس وقت اور بھی بڑھ جاتے ہیں کہ جب ملک خصوصاً زرعی شعبہ موسمی تبدیلی کے نتیجے میں شدید موسمی حالات کا مقابلہ کررہا ہو۔ تواتر کے ساتھ بے موسم بارشیں، سیلاب، خشک سالی نا صرف عوامی غذائی تحفظ بلکہ ملکی معیشت کے لیے بھی خطرہ بنی ہوئی ہے۔

ویلیو ایڈیشن اور ویلیو چین:

اسمارٹ منصوبے کے بیان کردہ بنیادی مقاصد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ فصلیں ہوں یا دودھ و گوشت کی پیداوار ہر سطح پر پیداوار میں اضافہ عالمی منڈی کے ضابطے اور تقاضوں کے مطابق ہو۔ منصوبے میں شامل تمام اہداف اس ہی حکمت عملی کے گرد گھومتے ہیں۔ اس منصوبے کا ایک اور اہم جز ویلیو چین (یعنی ایک شے سے دیگر زیادہ مالیت والی اشیاء حاصل کرنا) اور ان اشیاء کی قدر میں اضافے (ویلیو ایڈیشن) کا فروغ بھی ہے جس کے لیے پامرا کا قانون منظور کیا گیا۔ اسمارٹ منصوبے میں ویلیو ایڈیشن اور ویلیو چین کا شامل کرنا بظاہر ملک میں خصوصی اقتصادی زونز میں سرمایہ کاروں کو راغب کرنے کا منصوبہ نظر آتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ سی پیک کے تحت بننے والے خصوصی اقتصادی زون کی زیادہ تعداد پنجاب میں ہی ہے جنہیں خصوصاً زرعی علاقوں میں ہی تعمیر کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔

تمام تر اصلاحات بشمول ویلیو ایڈیشن اور ویلیو چین کے نظام کے لیے قانون سازی اور اس کا نفاذ اس بنیاد پر کیا جارہا ہے کہ ملک میں پیدا ہونے والی خوراک بین الاقوامی اصولوں اور معیار پر پیدا ہو، اس کی عمل کاری (پروسس) ہو اور پھر فروخت یا برآمد ہو جس سے ملکی معیشت پروان چڑھے گی۔ غربت اور غذائی کمی کا خاتمہ ہوگا اور کسانوں کا معیار زندگی بلند ہوگا۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا یہ تمام تر اقدامات ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی کو غذائی تحفظ فراہم کرتے ہیں؟ جس طرز زراعت کو اس منصوبے اور دیگر منصوبوں کے ذریعے بین الاقوامی کمپنیوں کے منافع اور کاروبار میں اضافے

کے لیے پروان چڑھایا جارہا ہے یہی طرز زراعت آج پاکستان جیسے تیسری دنیا کے ممالک میں بھوک ، غذائی کمی اور موسمی تبدیلی کا ذمہ دار ہے۔ پہلے منافع کے حصول کے لیے غیر پائیدار طریقہ زراعت متعارف کروایا گیا جس کے اثرات دنیا بھر میں ماحول کی تباہی اور موسمی تبدیلی کے نتیجے میں سامنے آئے جس سے قدرتی آفات اور پیداواری معمولات میں آنے والی تبدیلی نے کسان طبقے کو ہی خوراک سے محروم کیا، اب وہی کمپنیاں موسمی تبدیلی اور ماحول کے تحفظ کے نام پر اپنی ٹیکنالوجی تیسری دنیا کے ممالک کو فروخت کرکے منافع کمارہی ہیں جبکہ بھوک اور غذائی کمی کے شکار افراد کی تعداد گزشتہ دہائیوں کے مقابلے مزید بڑھتی جارہی ہے۔

عالمی بینک جیسے ادارے پاکستان میں منڈی کی بنیاد پر اصلاحات کے ذریعے ملکی پیداوار کو عالمی منڈی سے جوڑ کر پیداوار میں اضافہ کرنے اور اسے برآمد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس طرح حاصل ہونے والی آمدنی سے کسان خوشحال ہوجائے گا اور اسے غذائی تحفظ حاصل ہوگا۔ درحقیقت اس حکمت عملی کے تحت کسان منڈی سے جڑنے کے بعد مخصوص بیج کمپنیوں، کھاد کمپنیوں، موسمی تبدیلیوں کا حل پیش کرنے والے آبپاشی نظام اور دیگر ٹیکنالوجیوں کے استعمال سے ان کمپنیوں کے کاروبار اور منافع میں اضافہ کرے گا جو امیر سرمایہ دار ممالک کی ہی ہیں۔ عالمی بینک جیسے ادارے ان ممالک اور ان کمپنیوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے ہی پاکستان جیسے ممالک میں غربت کے خاتمے اور ترقی کے نام پر یہ منصوبے شروع کرتے ہیں۔

”منڈی میں مسابقت پیدا کرنا“ اسمارٹ منصوبے کا ایک اہم جز ہے۔ مسابقت کے نام پر ہی ملک کے چھوٹے اور بے زمین کسانوں کو بین الاقوامی منڈی میں کارپوریٹ فارمرز کے سامنے لاکر کھڑا کردیا گیا ہے جس کا یقیناً ہمارے کسان مقابلہ نہیں کرپائیں گے کیونکہ خود ان اداروں کی شرائط پر ہی زرعی شعبے کو دی جانے والی زرتلافی اور مراعات ختم کی جارہی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے چھوٹے اور بے زمین کسان خسارے کا شکار ہیں۔ اس کی ایک مثال ملک میں بھارتی زرعی اشیاء کی درآمد سے مقامی کسانوں کو ہونے والا نقصان ہے جس پر کسان طویل عرصے تک احتجاج بھی کرتے رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ امیر ممالک کی کمپنیوں اور ان کی معیشت کو فائدہ پہنچانے کے لیے پہلے یہ ممالک خود پاکستان جیسے ممالک کو ترقی، جدت، موسمی تبدیلی سے مطابقت کے نام پر مہنگے مداخل پر مبنی زراعت کو فروغ دیتے ہیں اور اس کے بعد عالمی منڈی میں اپنی ضروریات اور مفاد کے مطابق پیداوار کی قیمت اوپر نیچے کرتے ہیں۔

ان اصلاحات کی بدولت زراعت جو چھوٹے اور بے زمین کسان کے لیے خوراک کے حصول کا ذریعہ تھی اب مہنگی ہوتی جارہی ہے یعنی اب زراعت بڑے زمیندار اور کمپنیاں ہی کریں گی جو عالمی سطح پر مطلوبہ معیار کی پیداوار کرسکیں جس کے لیے خود حکومتی طبقہ اشرافیہ اپنی خدمات پیش کررہا ہے۔ اس ممکنہ صورتحال میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بڑے پیمانے پر مشینی زراعت کے فروغ، مقامی تجارتی منڈیوں کے آن لائن منڈیوں میں تبدیل ہونے سے مقامی چھوٹے تاجر اور کسان مزدور کس طرح اپنا روزگار برقرار رکھ پائیں گے۔ حکومت نے شاید اس کا بندوبست بھی اپنی اصلاحات کی فہرست میں شامل کررکھا ہے۔ خصوصی اقتصادی زونز میں بڑے پیمانے پر ویلیو ایڈیشن اور ویلیو چین کی صنعتوں، ڈیری کی صنعت کو محصولات میں مراعات شاید اسی لیے فراہم کی جارہی ہیں کہ زراعت ترک کرکے شہروں میں مزدوری کے لیے نقل مکانی کرنے والے ان صنعتوں کا سستا ایندھن بن کر بین الاقوامی کمپنیوں کے لیے منافع اور عالمی منڈی کی ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ ثابت ہوں۔ عالمی سامراج اپنی آزاد تجارتی پالیسیوں کے ذریعے خوراک کی خودمختاری کو نام نہاد ”غذائی تحفظ“ میں تبدیل کرنے میں ہمارے حکمرانوں کی بدولت کامیاب ہوتا نظر آرہا ہے۔ ایسا غذائی تحفظ جس میں خوراک منڈی میں دستیاب تو ہوگی لیکن عوام کی اکثریت اسے خریدنے کی قوت برقرار نہیں رکھ پائے گی۔ خوراک کی خودمختاری ہی ملک میں کسان مزدور طبقے کو خوشحال کرسکتی ہے نہ کہ سامراج کے تلوے چاٹنے والے حکمرانوں کے یہ ”غذائی تحفظ“ کے منصوبے۔

حوالہ جات

1. Serrano, Martin M. "Official documents- Loan Agreement for Loan 8809-PK." World Bank, 2018. Accessed from http://documents.worldbank.org/curated/en/369401518632238317/pdf/ITK425962-201801141314.pdf

2. Asia Pacific Research Network. "The impact of globlization on women labour in Asia." Asia Pacific Research Network, 2005. p.290.

پنجاب ایگریکلچرل مارکیٹنگ ریگولیٹری اتھارٹی ایکٹ 2018

تحریر: فدا حسین

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور زراعت پاکستان کی معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ پاکستان کی معیشت کا زیادہ تر انحصار زراعت پر ہے۔[1] ملک کی مجموعی پیداوار کا 24 فیصد حصہ زراعت سے حاصل ہوتا ہے جبکہ مجموعی افرادی قوت کا تقریباً 50 فیصد اسی شعبہ سے واسطہ ہے۔[2] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان ایک زرعی ملک ہونے کے باوجود سالانہ دو بلین ڈالر کی زرعی اجناس درآمد کرتا ہے جس کی چند اہم وجوہات ہیں۔ ان وجوہات میں حکومت کی جانب سے کسان دشمن پالیساں اور قوانین کا نفاذ شامل ہے۔ ان پالیسیوں میں سبز انقلاب اور 2015 میں بیج کا ترمیمی قانون کا نفاذ انتہائی اہم ہیں۔ پاکستان عالمی اداروں خصوصاً عالمی مالیاتی ادارہ (آئی ایم ایف) کے شکنجے میں پوری طرح پھنس چکا ہے۔ آئی ایم ایف کی عائد کردہ شرائط میں زراعت پر دی جانے والی زرتلافیوں کا خاتمہ اور زراعت پر ٹیکس کے نفاذ جیسے کسان دشمن شرائط شامل ہیں۔ اس کے علاوہ 1995 میں پاکستان عالمی تجارتی ادارے (World Trade Organization/WTO) کا رکن بنا۔ WTO (ڈبلیو ٹی او) کے ہر رکن ممالک کو اس کی کسان دشمن پالیسیوں پر عمل کرنا لازمی ہے۔ آئی ایم ایف اور ڈبلیو ٹی او جیسے عوام وکسان دشمن اداروں نے پچھلے بیس پچیس سالوں میں نیولبرل پالیسیوں کو پاکستانی عوام پر زبردستی لاگو کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان اس وقت ناصرف تقریباً 90 بلین ڈالر کا مقروض ہے بلکہ کسان اور مزدور آبادیاں شدید کسمپرسی کا شکار ہیں۔[3]

اگر ہم پنجاب کی بات کریں تو پنجاب پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے اور پاکستان کی زیادہ تر زراعت اسی صوبے میں ہوتی ہے۔ اس لیے غیر ملکی کمپنیوں اور سرمایہ کاروں کی نظریں بھی اس صوبے کی طرف لگی ہیں۔ حکومت پنجاب کی جانب سے صوبے میں زرعی شعبے میں آزاد تجارت کے اصولوں پر مبنی اصلاحات کے لیے مختلف پالیسیاں اور قوانین متعارف کروا رہی ہے۔ حال ہی میں پنجاب اسمبلی نے پنجاب ایگریکلچرل مارکیٹنگ ریگولیٹری اتھارٹی ایکٹ (PAMRA 2018) منظور کیا جو کہ پورے صوبے میں نافذالعمل ہوگا۔ اس ایکٹ کے تحت یہ بات یقینی بنائے جائے گی کہ 2021 تک صوبہ میں زرعی پیداوار کا کاروبار اسی قانون کے تحت کی جائے۔

اس قانون کے اہم نکات درج ذیل ہیں:[4]

قانون میں استعمال کردہ چند تعاریفیں

- ایگریکلچرل مارکیٹنگ (یعنی زرعی منڈی): وہ ساری سرگرمیاں اور افعال جو کہ زرعی پیداوار کی خرید وفروخت کے لیے ضروری ہوں۔
- ایگریکلچرل پروڈیوس (یعنی زرعی پیداوار): وہ زرعی پیداوار جس کے بارے میں حکومت پنجاب سرکاری گیزیٹ میں اطلاع دے۔ اس پیداوار میں خشک (dried) کی گئی پیداوار ہوسکتی ہے، خاص معیار کے مطابق (graded) ہوسکتی ہے یا پھر زرعی اشیاء کو نکھارا گیا ہو (پالیشیٹ) یا پھر ڈبہ بند بھی ہوسکتی ہے۔ ان مصنوعات کے علاوہ دیگر زرعی اشیاء جن کی قدر مختلف طریقوں سے بڑھائی (value-added) گئی ہو ان زرعی اشیاء میں شامل نہیں۔
- بائیر (یعنی خریدار): وہ فرد جس نے زرعی پیداوار اپنے لیے یا کسی اور کے لیے خریدی ہو۔
- کلیکشن سینٹر (یعنی خریداری مراکز): ایسی جگہ جو کہ کسی ڈیلر نے پامرا کے تحت قائم کی ہو اور جہاں کاشتکار اپنی زرعی پیداوار گریڈنگ (معیار)، پالیشنگ، ڈبہ بند یا فروخت کے لیے لاتا ہے۔
- ڈیلر (یعنی تھوک کا کام کرنے والا): ایسا فرد جو کہ کلیکشن سینٹر پر خود کاشتکار سے زرعی پیداوار خریدتا ہے۔
- فارمر مارکیٹ (یعنی کسان منڈی): ایسی جگہ جو کہ کھیت سے جڑی ہو یا پھر کسی شہری مقام پر کاشتکار خود یا اس کی تنظیم زرعی پیداوار کو تھوک یا خوردہ (retail) قیمت پر بیچ سکتا ہے۔
- گروئر (یعنی اگانے والا یا کاشتکار): ایسا فرد جو کہ خود یا ہاری/مزارعہ

(tenant) کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے زرعی پیداوار پیدا کرتا ہے لیکن اس میں بروکر (broker)، کمیشن ایجنٹ (commision agent) یا ڈیلر انفرادی یا اجتماعی حیثیت میں نا ہی کوئی اور فرد جو کہ زرعی پیداوار کے کاروبار یا زخیرہ (storage) یا عمل کاری (processing) میں شامل ہو (اس تعریف میں) شامل ہے۔

- کی سروس پرووائڈر (یعنی کلیدی خدمات فراہم کرنے والا): ایسا فرد جو کہ زرعی پیداوار کی مارکیٹنگ کے لیے خدمات فراہم کرتا ہو اور ان میں وہ افراد شامل ہیں جو زرعی پیداوار کے لین دین، (handling)، معیار پرکھنے (grading)، نکھار لانے (polishing)، ڈبہ بند (packing)، ذخیرہ (storage)، آمد و رفت اور بیمہ فراہم کرنے میں شامل ہو اور پامرا کے تحت مندرج ہوں۔

- سیلر (یعنی بیچنے والا): وہ فرد جو خود یا ایک ایجنٹ کے ذریعہ زرعی پیداوار کو بیچتا ہو یا بیچنے کی پیشکش کرتا ہو۔

- ورچوئل مارکیٹ (virtual market): زرعی پیداوار کی خرید و فروخت کے لیے برقی طریقوں/ آن لائن پر مبنی کاروباری منڈی (web-based commercial platform) ۔

- ہول سیل مارکیٹ (یعنی تھوک منڈی): ایک ایسی عمارت یا ایسی عمارتوں پر محیط علاقہ یا پھر کوئی مخصوص علاقہ (enclosure) جو پامرا کے تحت اندراج کیا گیا ہو اور زرعی پیداوار کی تھوک تجارت کے لیے استعمال کیا جائے۔

انتظامیہ

حکومت PAMRA (پامرا) کے نام سے ایک اتھارٹی قائم کرے گی جس کا مرکز لاہور میں قائم کیا جائے گا۔

ڈھانچہ

اس اتھارٹی یعنی پامرا کا ایک مستقل ڈائریکٹر جنرل ہوگا۔ اس کے علاوہ دوسرے ارکان میں شامل ہیں:

- سیکریٹری زراعت۔
- خصوصی سیکریٹری زراعت۔
- ڈائریکٹر جنرل پنجاب فوڈ اتھارٹی۔
- پنجاب اسمبلی کے تین اراکین جن میں سے ایک عورت ہوگی۔
- نجی یا سرکاری زرعی یونیورسٹی کے چانسلر۔
- ایسے چار افراد، جن میں ایک عورت ہو جو زرعی شعبہ سے وابسطہ ہوں اور جدید زراعت کے طریقوں کا وسیع تجربہ رکھتے ہوں، اتھارٹی کا حصہ ہوں گے۔
- یہ طے ہوا ہے کہ اتھارٹی وزیراعلیٰ کی ہدایات پر اپنی تمام ذمہ داریاں نبھائے گی۔ وزیر اعلیٰ اتھارٹی کے چیئرپرسن کو منتخب کرے گا اور سیکریٹری زراعت پہلے چیئرپرسن ہوں گے۔ اتھارٹی کا ڈائریکٹر جنرل سیکریٹری اتھارٹی کے طور پر بھی کام کرے گا۔ اس کے علاوہ وزیراعلیٰ کو اتھارٹی کے ارکان کی تعداد کم یا زیادہ کرنے کا اختیار بھی ہوگا۔

اختیارات (Functions and Powers)

اس قانون کے تحت پامرا درج ذیل ذمہ داریاں ادا کرے گی:

- مخصوص زرعی پیداوار کے لیے معیار کی درجہ بندی کرے گی۔
- بہتر زرعی طریقوں اور کاشکاری کے بہترین طریقوں جیسے نامیاتی طریقہ زراعت کے حوالے سے تجاویز دے گی۔
- زرعی اجناس کے خریداری مراکز (collection centers) اور تھوک منڈیاں چلانے والے افراد کا اندراج کیا کرے گی۔ اس کے علاوہ مختلف خدمات فراہم کرنے والے مثلاً ڈبہ بند کرنے والے، اشیاء کی ترسیل، گودام چلانے والے، بیمہ اور قرضے فراہم کرنے والوں کا بھی اندراج کرے گی۔

- زرعی پیداوری منڈی اور خدمات فراہم کرنے والوں کو اندراج کے لیے فیس جمع کروانی ہوگی۔

- متبادل مارکیٹنگ یعنی دیگر کاروبار کے طریقے اور ٹھیکے پر مبنی زراعت (کنٹریکٹ فارمنگ) کو فروغ دیا جائے گا۔

- خدمات فراہم کرنے والوں کو تربیت فراہم کی جائے گی۔

- غیر قانونی کاروبار اور مارکیٹنگ کے طریقوں کو محدود کیا جائے گا۔

- اس کے علاوہ منڈی کے حوالے سے معلومات اور ٹھیکے پر مبنی زراعت کے لیے نمونوں (template) کی فراہمی، منڈیوں کا سروے اور زرعی پیداوار کی مارکیٹنگ کی جائے گی۔

- زرعی پیداوار کی مارکیٹنگ کے حوالے سے مطبوعات اور تحقیق شروع کی جائے گی۔

- پامرا قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں پر جرمانہ عائد کیا جائے گا۔

- ڈائریکٹر جنرل اتھارٹی پامرا کے کردار کے حوالے سے ذمہ دار ہوگا۔

اتھارٹی کے لیے رقوم (فنڈز) مندرجہ ذیل ذرائع پر مشتمل ہوں گی:

الف۔ قرضہ جات یا امداد (رقوم) حکومت پنجاب یا وفاقی حکومت فراہم کرے گی۔

ب۔ پامرا قرضہ جات یا امداد حکومت کی رضامندی سے بھی حاصل کرسکتی ہے۔

ج۔ آمدنی کے ذرائع:

- اندراج سے حاصل کردہ رقم (فیس)، فائنز یعنی قوائد وضوابط کے خلاف ورزی پر جرمانہ کی رقم اور دیگر ذرائع سے حاصل کردہ آمدنی (چارجز)۔

- پامرا کی جائیدار کی فروخت، اس کی منتقلی یا پھر اسے کرائے (لیز) پر دینے سے حاصل کردہ آمدنی۔

- بانڈز، حصے (شیئرز)، قرض کی تصدیقی رسید (debentures) کے لیے سیکورٹیز اور دیگر سندیں جو پامرا نے جاری کی ہوں۔

- دیگر ذرائع۔

اندراج

خریداری کے مراکز (Collection Centers):

- کوئی فرد جو کہ خریداری کے مراکز، تھوک منڈی یا پھر برقی کاروباری منڈی قائم کرنا یا پھر کلیدی خدمات فراہم کرنا چاہتا ہو وہ طے شدہ طریقہ کار کے تحت پامرا میں اندراج کے لیے درخواست دے گا۔

- اگر اندراج کے لیے تمام شرائط مکمل ہوں تو پامرا طریقہ کار کے تحت اندراج کی سند جاری کرے گا۔

- سالانہ فیس کی ادائیگی پر اندراج کی سند کو طے شدہ مدت کے لیے دوبارہ جاری کیا جاسکے گا۔

- کسان منڈیاں

کاشتکار (گروئر) یا ان کی تنظیمیں بھی 'اپنی منڈی' یا 'کسان بازار' کے نام سے منڈی قائم کرسکتے ہیں۔ ان کو پامرا میں اندراج کروانے کی ضرورت نہیں۔

اگر کاشتکاروں کو ان کی فروخت کی ہوئی زرعی اشیاء کی قیمت ادا نہیں کی گئی تو اندراج منسوخ کر دیے جائیں گے۔ اگر اندراج کروانے کے دوران جھوٹ اور دھوکہ دہی کی گئی ہے تو بھی اندراج منسوخ ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ پامرا کی جانب سے عائد کردہ جرمانے کی عدم ادائیگی پر بھی اندراج منسوخ ہوسکتا ہے۔

حکومت پنجاب کی جانب سے ان اقدامات کے پیچھے بظاہر یہ مقصد نظر آتا ہے کہ حکومت زرعی منڈی کو مخصوص طریقوں سے ضوابط کے

دائرے میں لاتے ہوئے عالمی منڈی سے براہ راست منسلک کرنا چاہتی ہے۔ مثال کے طور پر اس قانون میں برقی رابطہ کاری کی بات کی گئی ہے کہ اب گاؤں میں بیٹھا ایک کسان بھی برقی رابطہ کاری کے ذریعے اپنی پیداوار دوسرے علاقوں میں فروخت کرسکتا ہے۔

اس طرح کے برقی کاروبار ہمیں بڑے سرمایہ دار ممالک میں نظر آتے ہیں۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لیے ہم امریکہ میں زرعی کاروبار (مارکیٹنگ) کے قوانین پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ امریکہ میں زرعی مارکیٹنگ کے حوالے سے قوانین امریکی محکمہ زراعت (United States Department of Agriculture/USDA)، ایگریکلچرل مارکیٹنگ سروسیس (Agricultural Marketing Services/AMS) کے ذریعے نافذ کرتا ہے۔[5]

قواعد وضوابط (Rules and Regulations)

AMS (اے ایم ایس) ایسے پروگرام کا انعقاد کرتا ہے جو امریکی زرعی پیداوار بشمول خوراک، کپاس اور دیگر اہم فصلوں کی موثر مارکیٹنگ میں سہولیات فراہم کرتا ہے۔ ایسے زیادہ تر پروگرام قواعد وضوابط پر مبنی ہیں جو وفاقی قانون سازی پر عمل کے ذریعے طلب اور معیار قائم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں بنائے گئے چند اہم قوانین درج ذیل ہیں:

نامیاتی قوانین (Organic Regulations):

نامیاتی قوانین ایسے کسان اور کاروبار جو اپنی زرعی پیداوار کو نامیاتی طور پر فروخت کرنا چاہتے ہیں کے لیے قوانین اور معیار مقرر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ نیشنل آرگینگ پروگرام نامیاتی پیداوار کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور کی جانے والی شکایات کی تحقیق کرنے کے ساتھ ساتھ قوانین کو نافذ کرتا ہے۔ امریکی محکمہ زراعت کئی ممالک سے تجارت پر مبنی شراکت داری کے ذریعے اپنے کسانوں اور عمل کاری کرنے والوں (پروسیسرز) کے لیے بڑھتی ہوئی عالمی نامیاتی منڈی سے فوائد کے حصول میں مدد فراہم کرتا ہے۔

کنٹری آف اوریجن لیبلنگ (Country of Origin Labeling/COOL):

COOL (کول) لیبلنگ (یعنی مصنوعات پر چسپاں معلومات) کے حوالے سے اس قانون کے تحت غذائی خوردہ فروشوں کے لیے کچھ مخصوص غذائی اشیاء پر اس ملک کا لیبل لگانا ضروری ہے جس ملک میں اشیاء تیار کی گئی۔

فیڈرل سیڈ ایکٹ:

فیڈرل سیڈ ایکٹ (Federal Seed Act/FSA) امریکی ریاستوں (صوبوں) کے مابین بیجوں کی تجارت کو منظّم کرتا ہے۔ یہ قانون صوبوں کے درمیان ہونے والے کاروبار میں ہر بیج خریدنے والے کو بیجوں پر غلط یا جھوٹ پر مبنی لیبلنگ اور اشتہارات کو روکتے ہوئے تحفظ فراہم کرتا ہے۔

پودوں کی اقسام کے تحفظ کا قانون (Plant Variety Protection Act):

پلانٹ ورائٹی پروٹیکشن آفس نئے پودے بنانے والوں کو ذہنی ملکیتی قوانین کے تحت سند فراہم کرتا ہے۔ یہ وہ پودے ہیں جن کو جنسی ملاپ یا پھر ٹیوبر پروپوگیشن (tuber propogation) کے ذریعے پیدا کیا گیا ہو۔ اس قسم کا تحفظ پودا بنانے والے (breeder) کو منڈی میں اپنی مخصوص قسم کا پودا فروخت کرنے پر 20-25 سال تک مکمل اجارہ داری فراہم کرتا ہے۔[6]

مارکیٹنگ کے لیے ضابطے اور معاہدے (Marketing Orders and Agreements):

پھلوں، سبزیوں، دودھ سے بنی ہوئی (ڈیری) مصنوعات اور مخصوص فصلوں کے لیے مستحکم منڈی کی فراہمی میں مدد دینے کے لیے صنعتوں نے کاروباری ضابطے اور معاہدے مرتب کرنا شروع کیے ہیں۔ یہ معاہدے صرف ان پر لاگو ہوں گے جنھوں نے معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔

پھلوں، سبزیوں اور مخصوص فصلوں کے حوالے سے کاروباری ضابطے اور معاہدے:

یہ قانون پیداوار کرنے والوں اور اس کا لین دین کرنے والوں کو منڈی کے

مسائل حل کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے جو وہ انفرادی طور پر حل نہیں کرسکتے۔ ان میں کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

- منڈی میں موجود پیداوار کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھنا۔
- بند ڈبوں اور کنٹینرز کے معیار کو قائم کرنا۔
- منڈی میں پیداوار کی آمد کے لیے ضوابط۔

دودھ اور ڈیری مصنوعات:

ملک مارکیٹنگ آرڈر یا دودھ کے کاروبار کے متعلق ضابطہ ڈیری شعبہ سے منسلک کسانوں کو پورے سال دودھ کی ایک بہتر کم از کم قیمت یقینی بنانے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ یہ ضابطہ اس بات کو بھی یقینی بناتا ہے کہ صارفین کو سال بھر دودھ کی مناسب مقدار حاصل ہو اور دودھ کی کم یا زیادہ پیداوار قیمتوں پر اثر انداز نہ ہو۔[7]

امریکی زراعت کے لیے امریکی حکومت کے پیش کردہ قوانین اور قوائد وضوابط پر نظر دوڑانے کے بعد یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ امریکی کسان کون ہے؟ اس کی معاشی حالت کیسی ہے؟

امریکی زراعت سرمایہ داری پر مبنی ہے جہاں زیادہ تر کھیت مالکان

کھیتوں کے رقبے کے حوالے سے ان کی تعداد

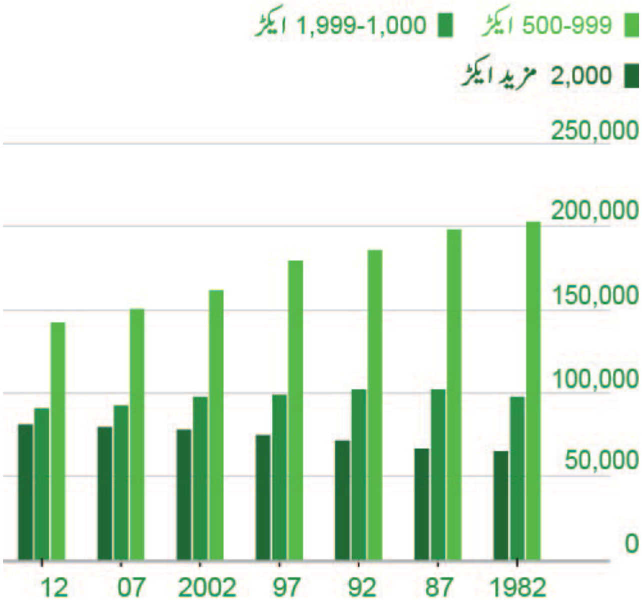

حوالہ: یو ایس ڈیپارٹمنٹ آف ایگریکلچر

بڑے بڑے زمینی رقبے رکھتے ہیں۔ ذیل میں ایک چارٹ میں واضح طور پر نظر آرہا ہے کہ امریکہ کا چھوٹے سے چھوٹے کسان بھی 500 ایکڑ زمین کا مالک ہے۔

امریکی محکمہ زراعت کے اعداد و شمار کے مطابق 75 فیصد امریکی کھیتوں پر صرف 12 فیصد کسانوں کا قبضہ ہے۔ وہ کھیت جن کی آمدنی ایک ملین ڈالر سے زائد ہوتی ہے ان کی تعداد 1992-2015 کے درمیان دوگنی ہو گئی ہے۔ جبکہ چھوٹے کھیت جن کا منافع 350,000 سے 999,999 ڈالر کے درمیان ہے، ان کے منافع میں پانچ فیصد کمی دیکھی گئی۔[8]

امریکہ کے یہ بڑے کھیت مالکان مخصوص گروہوں یا ایسوسی ایشنز کی صورت میں منظّم ہیں۔ یہ طاقتور ایسوسی ایشنز حکومت کو بھی اپنی مرضی کی پالیسی مرتب کرنے پر مجبور کرسکتی ہیں۔ ان میں امریکن سویابین ایسوسی ایشن، کورن ریفائنرز ایسوسی ایشن، نیشنل گرین اینڈ فیڈ ایسوسی ایشن اور دوسری فرمز جیسے لینڈ اولیک، ٹائسن فوڈز، لوئس ڈریفس کمپنی شمالی امریکہ اور آرچر ڈینیلز مڈ لینڈ شامل ہیں۔[9]

ان گروہوں کی طاقت کا اندازہ اس خبر سے کیا جاسکتا ہے کہ امریکی حکومت کے ہاؤس آف ریپریزنٹیٹیوز (House of Representatives) میں امریکی سیاسی پارٹی رپبلیکن (Houses Republican) کے دھڑے ہاؤسیز ریپبلکنز پر دباؤ ڈال کر ایک پیش ہونے والے قانون (2017 House Agricultural Appropriations bill) میں تبدیلی کروائی ہے۔ اس بل کے تحت زرعی اجناس سے وابستہ حلقوں کو معلومات فراہم کرنے سے استثنٰی مانگا گیا ہے۔[10] ایک امریکی قانون "فریڈیم آف انفورمیشن ایکٹ" (Freedom of Information Act/FoI) یہ سہولت دیتا ہے کہ عوام کوئی بھی معلومات حاصل کرسکیں اور بڑے زرعی دھڑے اس قانون کو اپنے حوالے سے معطل کرنا چاہتے ہیں۔

امریکی حکومت ہر سال زرعی تجارت کے لیے 20 بلین ڈالر زرتلافی کی مد میں فراہم کرتی ہے۔ تقریباً 39 فیصد (2.1 ملین کھیت مالکان) خصوصاً مکئی، سویابین، گندم، کپاس اور چاول کے بڑے کاشتکاروں کو زرتلافی دی جاتی ہے۔ امریکی محکمہ زراعت کھیت مالکان کے لیے براہ راست اور بالواسطہ طور پر 60 سے زیادہ امدادی پروگرام چلاتی ہے۔ ان امدادی پروگراموں کا 70 فیصد صرف تین فصلوں مکئی، سویابین اور گندم کے کھیت مالکان

کو جاتا ہے۔[11]

امریکہ محکمہ زراعت مختلف قوانین کے ذریعے دیوہیکل کھیت رکھنے والے کھیت مالکان کی مدد کرتا ہے۔ اس کی کچھ مثالیں یہاں پیش کی جارہی ہیں۔[12] محکمہ زراعت کھیت مالکان کی پیداوار کے معیار کے لیے قواعد و ضوابط مرتب کرتا ہے جو کھیت مالکان کو اپنی مصنوعات کو بڑے خریداروں یعنی کریانے کی دکانوں (گروسری اسٹورز) میں فروخت کرنے میں آسانی مہیا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ قوانین کھیت مالکان کے لیے نامیاتی پیداوار کے معیار طے کرتا ہے۔ ان معیارات سے ہی نامیاتی پیداوار کی زیادہ سے زیادہ قیمت کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ انہی وجوہات کی وجہ سے کسانوں کو 43 بلین ڈالر کی (نامیاتی اشیاء) کی صنعت قائم کرنے میں مدد ملی۔

امریکی محکمہ زراعت کے قوانین کسانوں کو 140 سے زائد مختلف فصلوں پر جن میں مکئی سے لے کر مرچ تک شامل ہے، سالانہ بیمہ پر سات بلین ڈالر زرتلافی فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ قوانین کھیت مالکان کو دوسری طرح کی زرتلافی فراہم کرنے میں مدد دیتے ہیں جس میں کھیت کے لیے قرضہ شامل ہے جو کھیت مالکان کو زرعی آلات، بیج اور زرعی کیمیائی مواد خریدنے کے قابل بناتے ہیں۔

محکمہ زراعت زرعی اجناس کی قیمتوں میں اضافے کی غرض سے وسیع مقدار میں اجناس خریدتے وقت قوانین کی پیروی کرتا ہے۔ محکمہ کے قوانین کسانوں کو مارکیٹنگ ضوابط اپنانے میں مدد دیتے ہیں جن کے تحت کھیت مالکان منڈی میں پیداوار کی فراہمی کم کرتے ہوئے اپنی فصل کی قیمت میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ محکمہ زراعت نے فارن ایگریکلچر سروس متعارف کروائی ہے جو امریکی زرعی پیداوار کی برآمد میں اضافہ اور ایسے درآمدی اجناس جو منڈی میں امریکی پیداوار کے مقابلے میں ہیں ان کی درآمد کو کم سے کم کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

تجزیہ

جیسا کہ پہلے لکھا گیا حکومت پنجاب نے زراعت کو عالمی منڈی سے متعارف کرانے کے لیے حال ہی میں پامرا ایکٹ منظور کیا تاکہ زرعی کاروبار اصولوں کے مطابق ہو۔ اگر ہم ان قوانین کے پس منظر میں جائیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ایسے قوانین امریکہ جیسے سرمایہ دار ملک میں صنعتی طرز پر پیداوار کرنے والے بڑے بڑے کھیت مالکان کے لیے رائج کیے گئے ہیں۔ خود امریکی محکمہ زراعت کے اعداد و شمار کے مطابق ان کے ملک میں بڑے کسانوں کا حجم اور منافع بڑھتا جارہا ہے۔ جبکہ چھوٹے کسان کا منافع کم ہوتا جارہا ہے۔ دراصل انہی بڑے کھیت مالکان اور ان کی ایسوسی ایشنز کی زرعی پیداوار کو تحفظ دینے کے لیے ہماری منڈی کو قابو کیا جارہا ہے۔

پنجاب پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے اور زراعت بھی سب سے زیادہ پنجاب میں ہوتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پنجاب حکومت بھی امریکی طور طریقوں کو اپناتے ہوئے صوبے کے بڑے بڑے زمینداروں اور صنعتی طرز پر کاشت کاری کرنے والوں کو فوائد پہنچانے کے درپہ ہے۔ اس کے علاوہ بیرونی سرمایہ کار اور کمپنیاں پنجاب پر نظر جمائے ہوئے ہیں اور اپنی معاشی طاقت کے بل پر مختلف قوانین نافذ کرواتی ہیں جن کا فائدہ کمپنیوں اور غیر ملکی سرمایہ کاروں اور بڑے زمینداروں کو ہوتا ہے۔

امریکی کی زراعت کے حوالے سے اگر بات کریں تو وہاں زراعت ایسے کھیت مالکان پر مشتمل ہے جو کہ زرعی زمین کے وسیع رقبے رکھتے ہیں اور وہاں سرمایہ داری اصولوں پر صنعتی زراعت کے طریقوں کو اپنایا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اگر ہم پاکستان کی بات کریں تو یہاں کل زرعی رقبے کے آدھے سے زیادہ حصے پر کھیتی باڑی 89 فیصد چھوٹے اور بے زمین کسان کرتے ہیں۔ کیا وہ ان نئے کاروباری قوانین پر عمل کرپائیں گے؟ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پنجاب میں لاگو کیا جانے والا قانون دراصل پاکستان کی 45 فیصد زمین پر قابض 11 فیصد بڑے زمینداروں کے لیے ہے۔ یہی لوگ منڈی پر قابض ہوکر اپنی بے تحاشہ دولت کو مزید بڑھائیں گے۔ دوسرے لفظوں میں پنجاب میں منظور ہونے والے قانون کا مقصد زراعت کو کسانوں کے ہاتھ سے چھین کر بڑے زمینداروں، جاگیرداروں، کمپنیوں اور غیر ملکی سرمایہ کاروں کے ہاتھ میں دینا ہے۔ یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ زرعی تجارت اب ایک ایسی اتھارٹی کے ہاتھ میں دی گئی ہے جو جیسے چاہے گی قوانین بنائے گی اور کسانوں کو مجبوراً اس پر عمل کرنا پڑے گا اور جو عمل نہ کرسکے تو اسے زراعت کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ پنجاب حکومت نے اس سے پہلے بھی زراعت کے حوالے سے کئی کسان دشمن قوانین مرتب اور نافذ کیے ہیں۔ ان قوانین میں یہ بات واضح ہے کہ ان کے ذریعے جدید مشینری پر مبنی کارپوریٹ زراعت کو

وسعت دی جارہی ہے۔ اس نکتہ کو ہم یوں بھی پرکھ سکتے کہ پامرا کے اراکین میں چار ایسے افراد ہوں گے جو جدید زراعت میں وسیع تجربہ رکھتے ہوں۔ یعنی اس قانون کا مقصد کسانوں کو فریب دے کر جدید زراعت کو فروغ دینا اور زراعت میں کمپنیوں کی اجارہ داری قائم کرنا ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ کیا ڈبہ بند معیار کو چھوٹے کسان اپنا سکیں گے؟ ان کے پیدا کردہ ٹماٹر، آلو اور بھنڈی کو منڈی تک پہنچنے کے لیے ان ڈبوں کا پابند ہونا پڑے گا جس کو خریدنا ان کسانوں کے بس میں نہیں اور اگر پامرا میں اندراج کے حوالے سے باریک بینی سے دیکھیں تو اس ملک کے کسان جن کو ریاست نے غیر معیاری تعلیم فراہم کر کے لکھنے پڑھنے سے بھی دور رکھا ہوا ہے، اس قدر مہنگے نظام میں کس طرح اپنا اندراج کروائیں گے؟

اس قانون کا ایک اہم نکتہ ای۔ کامرس یعنی برقی رابطہ کاری کے ذریعے زرعی اشیاء کی خرید و فروخت ہے۔ کیا ہمارا کسان گاؤں میں بیٹھ کر اپنی پیداوار برقی رابطہ کاری کے ذریعے فروخت کرسکتا ہے؟ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ کام کس کے لیے کیا جارہا ہے۔ ہمارا چھوٹا کسان پہلے ہی حکومت کی کسان دشمن پالیسیوں کی وجہ سے قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کی پیداواری لاگت پوری نہیں ہورہی جس کی وجہ سے کسان زراعت ترک کررہے ہیں۔ اس قانون کے تحت وہ مزید مشکل میں پھنس جائے گا۔ ہر شئے کو درج کیا جائے گا، فصل کی معیار کے جانچ اتھارٹی کرے گی۔ اگر کسان کی پیداوار معیار کے مطابق نہ ہوئی تو وہ منڈی میں قابل فروخت نہیں ہوگی۔ اس صورتحال میں کسان اس پیداوار کا کیا کرے گا؟

معیار تو دراصل اشرافیہ کا مسئلہ ہے۔ غریب تو سوکھی روٹی بھی مل جائے تو کھا لیتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ نجکاری کے تحت جو اشیاء و خدمات فراہم کی جارہی ہیں ان کا معیار گرتا جارہا ہے اور قیمتیں بڑھتی جارہی ہیں۔ بہت اعلیٰ معیار کی قیمت تو صرف دنیا کا ایک فیصد عیاش طبقہ ہی ادا کرسکتا ہے۔ یہ بات بھی بلکل واضح ہے کہ پنجاب حکومت جب غیر ملکی اداروں سے قرضہ لے گی تو ان کی پالیسیوں اور ہدایات پر عمل بھی کرنا پڑے گا۔ حکومت پنجاب دعویٰ کرتی ہے کہ کسانوں کے حقوق کا تحفظ ان کی اولین ترجیح ہے۔ اگر ایسا ہے تو زرعی پالیسیاں مرتب کرتے وقت چھوٹے کسانوں کو نمائندگی کیوں نہیں دی جاتی؟

ان اداروں کی تجویز کردہ پالیسیاں اور قوانین یقیناً ایک طرف ہمارے کسان کو زراعت چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں اور دوسری طرف ہماری زراعت پر غیر ملکی کمپنیوں اور سرمایہ کاروں کی اجارہ داری کو یقینی بناتے ہیں۔ اگر حکومت چھوٹے اور بے مین کسانوں کو غربت اور قرض میں ڈوبی ذلت آمیز زندگی سے نکالنے میں واقعی دلچسپی رکھتی تو اس طرح کے قانون سے گریز کرتی اور چھوٹے بے زمین کسانوں کو بھرپور فیصلہ سازی کا حق دیتے ہوئے ان کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے قوانین ترتیب دیتی۔

حوالہ جات

1. Gandahi, Rabail. "Importance of agriculture in Pakistan." PAKISTAN OBSERVER, May 17, 2018. Accessed from https://pakobserver.net/importance-of-agriculture-in-pakistan/
2. Pakistan Bureau of Statistics, Government of Pakistan, " Agricultural Statistics: Introduction." Government of Pakistan, 2017-18. Accessed from http://www.pbs.gov.pk/content/agriculture-statistics
3. Mughal, Nadia. "Agriculture in Pakistan and its problems." CSS Forum, May 25, 2012. Accessed from http://www.cssforum.com.pk/css-optional-subjects/group-v/agriculture-forestry/agriculture/63654-problems-agriculture-pakistan.html
4. The Punjab Gazette. "The Punjab Agricultural Marketing Regulatory Authority Act 2018." The Punjab Gazette, May 24, 2018. Accessed from http://www.punjabcode.punjab.gov.pk/index/showarticle/ref/672436cd-7692-4778-b6a6-874a3df2e1ec
5. USDA. "Proposed rules." United States Department of Agriculture. Accessed from https://www.ams.usda.gov/rules-regulations/proposed-rules
6. USDA. "Rules & regulations." United States Department of Agriculture. Accessed from https://www.ams.usda.gov/rules-regulations
7. USDA. "Marketing orders & agreements." United States Department of Agriculture. Accessed from https://www.ams.usda.gov/rules-regulations/moa
8. Bunge, Jacob. “Supersized family farms are gobbling up American agriculture.” Wall Street Journal, October 23, 2017. Accessed from https://www.wsj.com/articles/the-family-farm-bulks-up-1508781895
9. Cowan, Richard. " U.S farm lobby turns up heat on Trump team as NAFTA talks near." Reuters, July 14, 2017. Accessed from https://www.reuters.com/article/us-usa-nafta-farming/u-s-farm- lobby-turns-up-heat-on-trump-team-as-nafta-talks-near-idUSKBN19Z0DU

بقیہ حوالہ جات صفحہ 46 پر دیکھیں

بقیہ مضمون: سندھ میں ہاری (کسان) جدوجہد کی تاریخ اور ''چھمبڑ تحریک''

کسانوں نے ملٹری ہیڈ کوارٹر میں پیش ہو کر گرفتاریاں دیں۔ گرفتاریوں کے بعد ان رہنماؤں پر 20 دن تک ٹنڈوالہیار جیل میں اور نو دن تک شہباز بلڈنگ، حیدرآباد میں مقدمہ چلا فوجی عدالت میں چھ کسان رہنماؤں کو دس دس کوڑے تو کسی کو چھ چھ کوڑے ایک سال قید بامشقت اور 5,000 سے 10,000 روپے تک جرمانے کی سزائیں بھی دی گئیں۔ یہ سزائیں 1971 میں دی گئیں جن کسان رہنماؤں کو سزائیں دی گئی ان میں احمد خان لغاری، نبی بخش 'ہمدرد'، عثمان لغاری، مرزا خان لغاری، محمد صدیق جڑوار، جام خان لغاری، صاحب جان لغاری، آچر ماچھی، فیصل، ہاندھی گچانی اور دوسرے شامل تھے۔ اس دوران حکومتی رہنما شاہنواز جونیجو اور ان کے بھائی غلام رسول جونیجو 1972 میں چھمبڑ آئے اور مزید کسان دشمن منصوبے پیش کیے جنہوں نے رہی سہی کسر پوری کردی۔

اسی طرح شاندار کامیابیاں حاصل کرنے والی چھمبڑ تحریک دب گئی۔ اسی دوران حیدربخش جتوئی بھی وفات پا گئے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ سوویت یونین اور چین اختلافات نے اس تحریک کو اندر ہی اندر تباہ کیا۔ تو باہر سے ریاست نے بھی اس کو تباہ و برباد کردیا۔

بقیہ حوالہ جات: پنجاب ایگریکلچرل مارکیٹنگ ریگولیٹری اتھارٹی

10. Huehnergarth, Nancy Fink. " Big Agriculture Bullies and Lobbies to keep Amercian in the dark." Forbes, May 5, 2016. Accessed from https://www.forbes.com/sites/nancyhuehnergarth/ 2016/05/05/big-ag-bullies-and-lobbies-to-keep-americans-in-the-dark/#5a

11. Edwards, Chris. "Agricultural subsidies." Downsizing the Federal Government, April 16, 2018. Accessed from https://www.downsizinggovernment.org/agriculture/subsidies

12. Faber, Scott. "Federal rules help farmers, farm lobbyists to block them." AgMag, May 12, 2017. Accessed from https://www.ewg.org/agmag/2017/05/federal-rules-help-farmers-farm-lobbyists-want-block-them#.WylfQ9Izbs0

بات تو سچ ہے مگر

کسانوں کو کھاد پر براہ راست زرتلافی

محکمہ زراعت پنجاب اور پنجاب انفارمیشن ٹیکنالوجی بورڈ (PITB) نے مشترکہ طور پر کسانوں کو کھاد پر براہ راست زرتلافی فراہم کرنے کے حوالے سے پروگرام کا آغاز کردیا ہے۔ اس سلسلے پر میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے وائس چانسلر انفارمیشن ٹیکنالوجی یونیورسٹی (ITU) پنجاب ڈاکٹر عمر سیف، چیئرمین PITB (پی آئی ٹی بی) اور مشیر وزیر اعلی نے کہا کہ اس پروگرام نے کسانوں کو بلواسطہ زرتلافی فراہم کرنے کے پرانے نظام کو تبدیل کیا ہے جس میں کھادوں کی قیمتوں کو کم کیا جاتا تھا۔ چیئرمین پی آئی ٹی بی کے مطابق ادارے نے اس مقصد کے لیے ایک ویب سائٹ تیار کی ہے جس پر کھاد بنانے والی کمپنیاں اپنی مختلف مصنوعات جیسے ڈی اے پی، ایم او پی، ایس او پی۔ کے کوڈ (خفیہ نمبر) تیار کریں گی۔ یہ کوڈ پرچیوں پر چسپاں ہوں گے اور کھاد کی بوری کے اندر ڈال دیئے جائیں گے۔ کسان جو کسان جو اس پروگرام میں

اپنے آپ کو درج کروائیں گے وہ کھاد کی بوری خریدنے کے بعد اس میں موجود پرچی پر کوڈ نمبر کو موبائل کے ذریعے مخصوص نمبر پر بھیجیں گے جس کے بعد نظام اس کوڈ کی تصدیق کے بعد ایک پیغام روانہ کرے گا۔ کسان اس تصدیقی موبائل پیغام اور قومی شناختی کارڈ کے ساتھ مطلوبہ ایجنٹ سے رابطہ کے بعد نقد زرتلافی وصول کرسکے گا۔ صوبے پنجاب کے 36 اضلاع میں 382 آن لائن یعنی برقی طریقہ کار پر مبنی گندم کے مراکز قائم کیے گئے ہیں جس سے تقریباً 300,000 کسان مستفید ہونگے۔ (بزنس ریکارڈر، 6 جنوری، صفحہ 10)

50 میٹرک ٹن ہائبرڈ چاول کی بیج برآمد

فیڈرل سیڈ سرٹیفکیشن اینڈ رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ نے 50 ٹن چاول کے ہائبرڈ بیج برآمد کرنے کی منظوری دی ہے جو پاکستان سے ہائبرڈ چاول کے بیج کی پہلی برآمد ہوگی۔ اس سلسلے میں گارڈ ایگریکلچر ریسرچ اینڈ سروسز لمیٹڈ (GUARD) نے فلپائن کی کمپنی کے ساتھ 50 ٹن بیج برآمد کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔ گارڈ کے چیف ایگزیکیٹو شہزاد علی ملک کا کہنا ہے کہ کمپنی نے برآمد کرنے سے پہلے فیڈرل سیڈ سرٹیفکیشن اینڈ رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ میں بیج کے معیار کے تجزیے کے لیے دسمبر کے وسط میں درخواست دی تھی اور تین جنوری، 2018 کو اس کی برآمد کی منظوری دی گئی۔ اس سلسلے میں حکومتی عہدیداروں، کمپنی کے نمائندوں اور دوسرے شراکت داروں کی موجودگی میں ایک تقریب کے بعد کراچی سے روانہ کیا جائے گا۔ گارڈ ایگریکلچر ریسرچ اینڈ سروسز بیج ڈویژن کے افسر شاہ رخ ملک کا کہنا تھا کہ یہ صرف کمپنی کے لیے نہیں بلکہ پاکستان کی بھی بڑی کامیابی ہے۔ (بزنس ریکارڈر، 7 جنوری، صفحہ 18)

مونسانٹو کی باغبانی نمائش 2018 میں شرکت

حکومت پنجاب کی جانب سے لاہور ایکسپو سینٹر میں 13,14 جنوری، 2018 کو منعقد کردہ پاکستان ہورٹیکلچر ایکسپو 2018 میں عالمی زرعی کمپنی مونسانٹو نے شرکت کی۔ نمائش میں زرعی تکنیک، پھل اور سبزیوں کے پروسیسرز، تھوک فروش، خوردہ فروش، برآمد کنندگان اور مختلف حکومتی اور نجی اداروں کی جانب سے 150 سے زائد اسٹال لگائے گئے۔ اس نمائش میں چالیس ممالک کے وفود اور خریداروں نے شرکت کی۔ نمائش میں زرعی تکنیک فراہم کرنے والوں نے کسانوں پر زور دیا کہ وہ زراعت میں جدید تکنیک کا استعمال کریں تاکہ عالمی منڈی میں مقابلہ کیا جاسکے۔ مونسانٹو کے پاکستان کے سربراہ عامر مرزا کا کہنا تھا کہ پودوں کی پیوندکاری، بائیوٹیکنالوجی اور بہتر زراعت کی وجہ سے دنیا میں فصل کی پیداوار اور معیار میں بہتری آئی ہے۔ اس کے علاوہ کسانوں کی آمدنی میں اضافہ اور دنیا میں تحفظ خوراک کو یقینی بنانے کے لیے پائیدار زرعی تکنیک مرکزی کردار ادا کرسکتی ہے۔ (بزنس ریکارڈر، 16 جنوری، صفحہ 3)

مونسانٹو: پاکستان میں فارمر ایمبیسڈر پروگرام کا آغاز

مونسانٹو پاکستان نے پنجاب کے مکئی پیدا کرنے والے اضلاع میں ایک پروگرام ''ڈیکالب نمبردار'' کا آغاز کردیا ہے۔ اس پروگرام کا مقصد مکئی کے پیداواری علاقے میں جدت پسند کسانوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے تاکہ وہ اپنے کسان برادری میں اچھے کاشتکاری کے طریقوں کے فروغ کے لیے تبدیلی لانے والے کسان کا کردار ادا کریں۔ صوبے میں زیادہ تر چھوٹے کسان ہیں جن کی زرعی معلومات تک رسائی محدود ہے۔ اس پروگرام کا مقصد کسانوں کے تجربے اور تجربہ کار کسان کے ذریعے مکئی کی کاشت کے علاقوں میں کسان برادری کو فصل سے متعلق معلومات فراہم کرنا ہے۔ یہ کسان صحت مند اور منافع بخش فصل کے لیے جدید زرعی ٹیکنالوجی اور معلومات کی فراہمی کے لیے اپنا مثبت اثر و رسوخ کسان ساتھیوں میں استعمال کریں گے۔ اس کے علاوہ یہ پروگرام اب تک صوبے کے سات اضلاع جن میں اوکاڑہ، پاکپتن، ساہیوال، چینیوٹ، وہاڑی، قصور اور خانیوال میں شروع کیا گیا ہے اور یہاں سے 500 جدت پسند کسانوں کو اس پروگرام کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ مونسانٹو کے اس پروگرام کا مقصد کمپنی کی چھوٹے کسانوں تک رسائی، کسانوں کی جدید ٹیکنالوجی تک رسائی اور زرعی معلومات فراہم کرنا ہے۔ (بزنس ریکارڈر، 2 فروری، صفحہ 13)

گندم کا غیر ملکی خریداروں کو فروخت

یورپی تاجروں کے مطابق گندم کی برآمد کے لیے شروع کیے گئے زرتلافی منصوبے کے بعد پاکستان نے جنوری میں 300,000 ٹن گندم غیر ملکی خریداروں کو فروخت کیا ہے جبکہ آئندہ چند دنوں میں مزید 250,000 ٹن

گندم کی فروخت برآمد کنندگان کو متوقع ہے۔ تفصیلات کے مطابق کابینہ کمیٹی نے دسمبر میں دوملین ٹن گندم برآمد کرنے کی اجازت دی تھی جس میں 1.5 ملین ٹن پنجاب سے اور 500,000 ٹن سندھ سے برآمد کرنا تھا۔ ایک تاجر کے مطابق سندھ سے اب تک 300,000 ٹن گندم فروخت کیے جانے کے معاہدے ہوچکے ہیں ہے جبکہ اگلے ہفتے تک پاکستان سے 500,000 ٹن گندم برآمدکنندگان خرید چکے ہوں گے۔ گندم مشرقی افریقہ، سرلنکا، ویتنام اور مشرقی وسطہ کے تاجروں کو فراہم کرنے کی توقع ہے۔ ایک تاجر کے مطابق عالمی منڈی میں پاکستانی گندم 11.5 سے 12 فیصد پروٹین کی موجودگی کی وجہ سے منڈی میں اس کی مانگ زیادہ ہے جس نے روس اور یوکرین کے کچھ گندم فروخت کرنے والوں کی جگہ لے لی ہے۔ (بزنس ریکارڈر، 2 فروری، صفحہ 3)

پاکستان کے درجہ حرارت میں 5-3 ڈگری اضافہ ہوگا۔ رپورٹ

حالیہ صدی کے اواخر تک پاکستان کے سالانہ درجہ حرارت میں تین سے پانچ ڈگری تک اضافہ ہوسکتا ہے جس کے نتیجے میں پانی، توانائی کے منصوبے، چاول اور گندم کی پیداوار میں کمی ہوگی۔ اس کے علاوہ شدید گرمی کی وجہ سے شرح اموات میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں موسمی تبدیلی کے ماہر قمرالزمان چودھری نے ایک رپورٹ کلائمٹ چینج پروفائل آف پاکستان کے نام سے تیار کی جسے ایشیائی ترقیاتی بینک (Asian Development Bank/ADB) نے شائع کیا۔ رپورٹ کے مطابق پچھلے 50 سالوں میں پاکستان کے سالانہ درجہ حرارت میں 0.5 ڈگری جبکہ پچھلے تیس سالوں میں گرمی کی شدید لہر میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ کراچی کے ساحل پر سطح سمندر میں دس میٹر تک اضافہ ہوا ہے۔ رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ مستقبل میں گلیشیر کے پگھلنے میں اضافہ ہوگا جس کی وجہ سے پاکستان میں دریاؤں میں پانی کا بہاؤ زیادہ ہوگا۔ صدی کے آخر تک سطح سمندر میں 60 سینٹی میٹر تک اضافہ ہوسکتا ہے جس سے جنوبی کراچی کے ساحلی علاقے کیٹی بندر تک اور دریا سندھ کا ڈیلٹا متاثر ہوگا۔ زیادہ بخارات (evaporation) کی وجہ سے آبپاشی کے لیے پانی کی طلب میں اضافہ ہوگا جبکہ گندم اور باسمتی چاول کی پیداوار میں کمی ہوسکتی ہے۔ توانائی کے منصوبوں کے لیے پانی کی کمی جبکہ گرمی میں اضافے کے باعث توانائی کی طلب زیادہ ہوگی۔ بارشوں اور سیلابوں کی وجہ سے شہروں کا نکاسی آب کا نظام جبکہ سطح سمندر میں اضافے اور طوفانوں کی وجہ سے ساحلی علاقوں میں رہنے والی آبادیاں متاثر ہوں گی۔ رپورٹ میں حکومت اور عوامی گروہوں سے آنے والے نامساعد حالات سے بچنے کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے کا کہا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے کلائمٹ چینج کانفرنس کے مطابق پاکستان نے 2030 تک گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج کو 20 فیصد تک کم کرنا ہے۔ (دی ایکسپریس ٹریبیون، 5 فروری، صفحہ 2)

پاکستان میں نومولود بچوں کی شرح اموات سب سے زیادہ

اقوام متحدہ کا بچوں کے لیے کام کرنے والا ادارہ یونیسیف کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں بچوں کی شرح اموات بہت زیادہ ہے۔ بچوں کی شرح اموات میں افریقی ممالک سرفہرست ہیں۔ پاکستان میں پیدا ہونے والے ہر 22 میں سے ایک جبکہ جاپان میں 1,111 میں ایک بچہ موت کا شکار ہوتا ہے۔ پاکستان وہ ملک ہے جہاں نومولود بچوں کے مرنے کی سب سے زیادہ تعداد ہے۔ رپورٹ کے مطابق بچوں کی شرح اموات کے فہرست میں شامل دس بڑے ملکوں میں آٹھ افریقہ کے ممالک شامل ہیں۔ ان ممالک میں غربت اور عورتوں کو زچگی کے دوران مناسب طبی سہولت نہ ملنے کی وجہ سے یہاں بچوں کی شرح اموات زیادہ ہے۔ رپورٹ کے مطابق ہر سال 2.6 ملین بچے ایک مہینے تک بھی زندہ نہیں رہ پاتے۔ رپورٹ کو عالمی مہم ''ہر بچے کے لیے زندگانی (Every Child Alive)'' کے شروع ہونے پر پیش کیا گیا۔ اس مہم کا مقصد ہر ماں اور نوزائیدہ بچے کو مناسب اور بہتر صحت کی سہولیات فراہم کرنا ہے اس تناظر میں یہ رپورٹ شائع کی گئی۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ چند اقدامات جیسے تربیت یافتہ دائیوں، صاف پانی، معدنیات، ماں کے دودھ اور اچھی غذائیت سے بچوں کی اموات کو 80 فیصد تک قابو کیا جاسکتا ہے۔ ایسے بچے جو غریب ملکوں میں پیدا ہوتے ہے ان میں امیر ملکوں میں پیدا ہونے والے بچوں سے 40 فیصد مرنے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس شرح میں کم آمدن والے ممالک نے بھی بہتری لائی ہے جس میں راوانڈا نے 2016-1990 کے درمیان بچوں کی شرح اموات کو آدھے سے کم کردیا ہے۔ اس کے لیے یہ

ضروری ہے کہ حکومت صحت کے شعبے کو مضبوط کرے۔ اس کے علاوہ تعلیم بھی ضروری ہے، ایک پڑھی لکھی ماں کے پیدا ہونے والے بچے کا ایک ان پڑھ ماں کے بچے سے موت کا خطرہ کم ہوتا ہے۔ (دی ایکسپریس ٹریبیون، 21 فروری، صفحہ 8)

بورڈ آف انویسٹمنٹ کی جانب سے سات خصوصی اقتصادی زونز کی منظوری

بورڈ آف انویسٹمنٹ نے ملک کے تین صوبوں میں سات خصوصی اقتصادی زون قائم کرنے کی منظوری دی ہے۔ تفصیلات کے مطابق سات میں سے تین زونز سندھ میں قائم کیے جائیں گے۔ ضلع خیرپور میں 140 ایکڑ، بن قاسم 930 ایکڑ جبکہ کورنگی کریک میں 140 ایکڑ زمین پر زونز قام کیے جائیں گے۔ صوبے پنجاب میں بھی تین خصوصی اقتصادی زون قائم کیے جائیں گے جم میں 1,536 ایکڑ پرمحیط قائد اعظم اپیرل پارک، 4,356 ایکڑ زمین پر ایم تھری انڈسٹریل سٹی اور 225 ایکڑ پر ولیو ایڈیشن سٹی شامل ہے۔ اس کے علاوہ خیبر پختونخوا میں 424 ایکڑ زمین پر حطار فیز سیون میں خصوصی اقتصادی زون قائم کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں خیبر پختونخوا اور پنجاب حکومت نے ان زونز کی تعمیر کے لیے زمین بھی حاصل کی ہے جبکہ سندھ کو زمین کے حصول میں مسائل کا سامنا ہے۔ یہ خصوصی اقتصادی زونز 2018-19 تک مکمل کیے جائیں گے۔ ان اقتصادہ زونز میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کو راغب کرنے کے لیے مراعات کی پیشکش کی جائے گی جس میں دس سال تک محصولات میں چھوٹ اور مشینری کی درآمد پر ایک بار محصول میں چھوٹ شامل ہے۔ (بزنس ریکارڈر، 11 مارچ، صفحہ 1)

کھاد کے حوالے سے نئی فرٹیلائزر پالیسی

نیشنل فرٹیلائزر کارپوریشن کے چیف ایگزیکیٹیو افیسر عمر سعید ملک کے مطابق وزارت صنعت و پیداوار نے نیشنل فرٹیلائزر پالیسی جو اس سال مرتب کی جائے گی اس کو حتمی شکل دینے کے لیے شراکت داروں سے مشاورت کرنی شروع کی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ زیرغور پالیسی ایک متوازن پالیسی ہے جو کسانوں اور کھاد بنانے والے دونوں کے مفادات کا تحفظ کرے گی۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ پالیسی میں کسانوں کے فائدے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے اور نجی شعبے کو بھی اس کا جائز حصہ ملے گا۔ حکومتی پالیسیوں کا محور ہی کسانوں کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں ان کا کہنا تھا کی وفاق کی سطح پر فرٹیلائزر ریگولیٹری اتھارٹی قائم کرنے کی ضرورت ہے جو کہ کھاد کے حوالے سے سرمایہ کاری، درآمد، طلب، معیار اور قیمتوں کو دیکھ سکے گا۔ ایسی اتھارٹی وزارت صنعت و پیداوار کے ماتحت کام کرسکتی ہے۔ عمر سعید ملک کا کہنا تھا کہ نامساعد حالات سے بچنے کے لیے 200,000 ٹن یوریا ذخیرہ کرنا چاہیے۔ (بزنس ریکارڈر، 21 مارچ، صفحہ 2)

گنے کے کسانوں کو خطیر مالی نقصان کا خدشہ

وزارت قومی غذائی تحفظ و تحقیق کے اندازے کے مطابق ملک بھر میں حکومت کی مقرر کردہ گنے کی قیمت پر خریداری نہ ہونے کی وجہ سے کسانوں کو 133 بلین روپے کے نقصان کا خدشہ ہے۔ وزارت کے سیکریٹری فضل عباس مکن نے حال ہی میں کونسل آف کامن انٹرسٹ (CCI) کو بتایا کہ شوگر فیکٹریز کنٹرول ایکٹ کے دفعہ 16 اور 16-A کے تحت صوبائی حکومتیں گنے کی قیمت مقرر کرنے اور اس پر عملدرآمد کرنے کے ذمہ دار ہے۔ حکومت پنجاب کی جانب سے 2017-18 کے لیے گنے کی قیمت فی من 180 جبکہ سندھ اور خیبر پختونخوا نے 182 روپے فی من مقرر کی تھی۔ وزارت قومی غذائی تحفظ و تحقیق کے مطابق ملک میں گنے کی مجموعی پیداوار 65.69 ملین ٹن ہوئی جس میں پنجاب 44.86 ملین ٹن، سندھ 16.27 ملین ٹن، خیبر پختونخوا 4.52 ملین ٹن اور بلوچستان میں 0.03 ملین ٹن پیداوار ہوئی۔ دوسری طرف 180 روپے فی من کے حساب سے گنے کے کسانوں کی آمدن کا تخمینہ 593 بلین لگایا گیا جبکہ وزارت کے مطابق کسانوں کو فراہم کی جانے والی قیمت کے حساب سے کسانوں کو 34.5 بلین سے 133 بلین روپے کے نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وفاقی وزیر قومی غذائی تحفظ و تحقیق سکندر حیات خان بوسن کا کہنا تھا کہ جنوبی پنجاب میں ایک یا دو شوگر ملوں کے علاوہ کوئی بھی مل حکومت کی مقرر کردہ قیمت پر گنا نہیں خرید رہی ہے۔ ملیں کسانوں سے 120 سے 130 روپے فی من گنا خرید رہی ہیں جبکہ کسانوں سے رسید پر دستخط 180 روپے فی من قیمت پر لیے جارہے ہیں۔ (بزنس ریکارڈر، 22 مارچ، صفحہ 30)

محکمہ زراعت پنجاب کے اسمارٹ پروگرام کا آغاز

محکمہ زراعت پنجاب نے زرعی کاروباری شعبے میں جامع اصلاحات کے منصوبے (Strengthening Markets for Agriculture and Rural Transformation/SMART) کا آغاز کردیا ہے جس سے پانچ سالوں میں زرعی شعبے کی اقتصادی قدر میں 2.2 بلین ڈالر اضافہ اور 350,000 ملازمتیں پیدا ہونے کی توقع ہے۔ اس کے علاوہ امکان ہے کہ اس منصوبے سے 1.7 ملین افراد غربت سے باہر آجائیں گے۔ سیکریٹری زراعت پنجاب محمد محمود نے صحافیوں کو منصوبے کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا ہے کہ اس منصوبے کے اہم مقاصد میں نجی شعبے کو زرعی منڈی قائم کرنے کی اجازت، دودھ اور گوشت کے معیار کی بہتری اور اس کی پیداوار کی حوصلہ افزائی، مویشیوں کی افزائش اور ان کی بہتر دیکھ بھال اور آبپاشی کے پانی کا بہتر استعمال شامل ہے۔ (بزنس ریکارڈر، 17 اپریل، صفحہ 13)

قومی آبی پالیسی کی منظوری

وزیر اعظم کی زیر صدارت کونسل آف کامن انٹرسٹ (Council of Common Interest/CCI) نے باضابطہ طور پر قومی آبی پالیسی (نیشنل واٹر پالیسی) صوبوں کے درمیان اتفاق رائے سے منظور کرلی ہے۔ قومی آبی پالیسی کے ابتدائی اہداف میں ملک کی پانی ذخیرہ کرنے کی موجودہ صلاحیت کو بڑھانے کا ہدف بھی شامل ہے۔ 14 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی موجودہ صلاحیت کو فوری طور پر بڑھانے کے لیے مزید 6.4 ملین ایکڑفیٹ پانی ذخیرہ کرنے کے لیے دیامر بھاشا ڈیم کی فوری تعمیر بھی ہدف میں شامل ہے۔ پالیسی میں صوبوں کو قومی دائرہ کار میں رہتے ہوئے پانی کے حوالے سے بنیادی منصوبہ بندی کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔ پالیسی میں پانی کا استعمال، ترجیحی بنیادوں پر پانی کی فراہمی، آبی ذخائر کی تعمیر و استعمال کی جامع منصوبہ بندی، آبی ماحولیاتی نظام کا تحفظ، موسمی تبدیلی کے اثرات، صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم، نہری و بارانی زراعت، پینے کا پانی، نکاسی، پن بجلی، صنعت، زیر زمین پانی، آبی حقوق و ذمہ داری، پائیدار بنیادی ڈھانچہ، آبی خطرات، معیار، آگاہی و تحقیق، حفاظتی اقدامات، قانونی دائرہ کار، آبی اداروں کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں اضافے جیسے پانی سے متعلق تمام مسائل کو شامل کیا گیا ہے۔ پالیسی کے نفاذ کے لیے قومی آبی کونسل قائم کی جائے گی جس کے سربراہ وزیر اعظم ہوں گے۔ کونسل وفاقی وزراء برائے آبی وسائل، خزانہ، توانائی، منصوبہ بندی، ترقی و اصلاحات اور چاروں وزرائے اعلی پر مشتمل ہوگی۔ پالیسی میں سرکاری ترقیاتی پروگرام (Public Sector Development Programme/PSDP) کا 10 فیصد حصہ آبی شعبے کے لیے فراہم کرنے کی ضرورت پر بھی اتفاق کیا گیا ہے جسے بتدریج بڑھا کر 2030 تک 20 فیصد تک کردیا جائے گا۔ (ڈان، 25 اپریل، صفحہ 3)

چینی شہریوں کو زمین حاصل کرنے کی اجازت دینے کے خلاف عدالت میں درخواست

وطن پارٹی کے بیرسٹر ظفراللہ خان نے سی پیک کے تحت چینی شہریوں کو مختلف بنیادوں پر کئی طرح کا استثنی دینے کے خلاف سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی ہے۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ حکومت پاکستان نے چینی شہریوں کو پٹے پر زمین جائیدار حاصل کرنے کی اجازت دی ہے جو ملکی خودمختاری کو پٹے پر دینے کے مترادف ہے۔ درخواست میں پاکستان میں چینی شہریوں کے لیے تفریحی مقامات اور رہائشی کالونیوں کے قیام کو مستقل قبضے کے لیے پرفریب طریقہ قرار دیا گیا ہے۔ پاکستانی عوام سی پیک منصوبہ کا ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے برصغیر میں برطانیہ کے قبضے سے موازنہ کررہے ہیں۔ (ڈان، 8 مئی، صفحہ 2)

درآمدی بیج پر انحصار

ایڈیشنل سیکریٹری محکمہ زراعت پنجاب ڈاکٹر غضنفر علی خان نے بیج کے شعبے کے تمام شراکت داروں کے ساتھ ایک اہم اجلاس کے دوران سیڈ ایسوسی ایشن آف پاکستان (SAP) کو کہا ہے کہ وہ اپنی تفصیلی سفارشات محکمے کو جمع کروائیں کہ آیا کس طرح بیج کی مقامی پیداوار کی حوصلہ افزائی کرکے اور ٹیکنالوجی کی منتقلی کو یقینی بنا کر درآمدی بیج پر انحصار کم کیا جاسکتا ہے۔ گارڈ ایگریکلچرل ریسرچ اینڈ سروسز کے سربراہ شہزاد علی ملک نے اجلاس میں تجویز دی ہے کہ محکمہ زراعت کو ان بیج کمپنیوں کے لیے مراعات کا اعلان کرنا چاہیے جو مختلف فصلوں کے بیجوں کی مقامی سطح پر پیداوار کررہی ہیں۔ اگر یہ

ممکن نہ ہو تو بیج درآمد کرنے والی تمام کمپنیوں کو کہا جائے کہ وہ 20 سے 30 فیصد بیج ملک میں ہی کاشت کریں اور اس مقدار کو اگلے سات سے 10 سالوں میں بتدریج سو فیصد کردیا جائے جو کمپنیاں بیج کی پیداوار کا یہ ہدف پورا کرنے میں ناکام رہیں ان کے لیے بیج کی درآمد پر بھاری محصول عائد کیا جائے۔ (بزنس ریکارڈر، 13 جون، صفحہ 20)

زرعی گودام رسید منصوبہ

ترجمان محکمہ زراعت پنجاب کے مطابق کسانوں اور ان کی زرعی پیداوار کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے نجی سرکاری شراکت داری کے تحت ''زرعی گودام۔ رسید منصوبہ'' (ایگری کلچرل ویئر ہاؤس ریسیٹ پروگرام) شروع کردیا گیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت کسان اپنی زرعی پیداوار کو گوداموں میں محفوظ کرسکیں گے۔ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے یہ گودام اشیاء کو طویل عرصے تک محفوظ رکھنے کے قابل ہوں گے۔ منصوبے کے تحت کسان مقرر کردہ بینک میں کھاتہ کھلوائیں گے اور اس کے بعد مقررہ گودام کی انتظامیہ سے رابطہ کریں گے۔ اس کے بعد کسان مطلوبہ معیار کی پیداوار گودام میں منتقل کریں گے۔ پیداوار کا وزن اور گودام میں ماحول کا معیار یقینی بنانے کے بعد کسانوں کو گودام انتظامیہ رسید جاری کرے گی۔ کسان کو گودام کی اس رسید کے بدلے ضروری کارروائی کے بعد مقرر کردہ بینک سے اپنی پیداوار کی منڈی میں قیمت کی بنیاد پر 70 فیصد تک قرض فراہم کیا جائے گا۔ کسان کسی بھی وقت اپنی پیداوار کسی فرد یا ادارے کو فروخت کرسکے گا جس کی قیمت اسی بینک کے ذریعے کسان کو وصول ہوگی۔ اس منصوبے کے تحت مسلم کمرشل بینک کسانوں کو قرض کی سہولت فراہم کرے گا۔ منصوبے کے دیگر سہولت کاروں میں ڈائریکٹریٹ آف ایگری کلچرل انفارمیشن پنجاب اور پنجاب اینڈ اسلام آباد فیلڈ ملز بھی شامل ہے جو ان گوداموں سے پیداوار خریدے گا۔ (دی ایکسپریس ٹریبیون، 14 جون، صفحہ 20)

رخ زمانہ ...

بھارت میں شمسی توانائی کے منصوبے

بھارت نے 175 گیگا واٹ قابل تجدید توانائی کے حصول کو 2022 تک یقینی بنانے کے لیے کوششیں تیز کردی ہیں۔ بھارتی وزیر توانائی کا کہنا ہے کہ بھارت شمسی توانائی کے منصوبوں پر 350 ملین ڈالر کی رقم خرچ کریگا۔ قومی گرڈ میں قابل تجدید توانائی کا حصہ بڑھانے کے لیے بھارت کو کم از کم 125 بلین ڈالر کی ضرورت ہے۔ انتہائی وسیع و عریض ملک ہونے کی وجہ سے بھارت قابل تجدید توانائی کی پیدوار میں شمسی توانائی کو مرکزی حیثیت دینا چاہتا ہے۔ 2030 تک بھارت کی مجموعی توانائی کی پیداوار میں قابل تجدید توانائی کا حصہ 40 فیصد ہونے کا امکان ہے۔ (ڈان، 10 جنوری، صفحہ 10)

یونان میں مزدور دشمن قوانین کے خلاف احتجاج

یونان کی وزارت مزدور نے ملک میں ''ہڑتال کے حق'' پر روک تھام کے حوالے سے قوانین متعارف کروائے ہیں جو کہ مزدور یونینز کے لیے سخت پریشان کن جبکہ صنعتوں کے لیے سود مند ہے۔ دارلحکومت ایتھنز میں 500 سے زائد مزدور وزارت کے دفتر کے اندر گھس گئے وزیر مزدور کے خلاف نعرہ بازہ کی۔ مظاہرین نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے۔ ایک بینر پر لکھا گیا تھا کہ ''وزارت یورپی یونین اور وزارت آئی ایم ایف کے بنائے گئے قوانین منظور نہیں۔ مزدوروں کے مطالبے پر قوانین واپس لیے جائیں''۔ وزیر مزدور نے قوانین واپس لینے سے انکار کردیا۔ خیال رہے کہ یورپی یونین اور آئی ایم ایف نے یونان کو دیوالیہ ہونے سے بچانے کے لیے فنڈ فراہم کیے تھے اور بدلے میں اصلاحات کرنے کا مطالبہ کیا تھا اور یہ مزدور قوانین میں اصلاحات اس مطالبے کا حصہ ہیں۔ (ڈان، 10 جنوری، صفحہ 11)

بھارت میں ہزاروں کسانوں کا حقوق کے لیے احتجاج

ایک خبر کے مطابق بھارتی شہر ممبئی میں کئی کلومیٹر پیدل سفر کے بعد فصلوں کی مناسب قیمت کے حصول اور زمینی حقوق کے لیے کسانوں نے احتجاج کیا۔ تفصیلات کے مطابق کسان 165 کلومیٹر دور ناسک سے ہاتھوں میں لال جھنڈے اٹھائے چھ دن کے پیدل سفر کے بعد ممبئی پہنچے تھے۔ حکام کے مطابق مظاہرین کی تعداد 30,000 ہزار سے زیادہ تھی جس میں بچے اور عورتیں بھی شامل تھے جو ممبئی کے جنوب میں واقع میدان میں جمع ہوئے تھے۔ کسانوں کا مطالبہ ہے کہ مہاراشٹرا کے جنگلات کی زمین کو قبائلی کسانوں کو منتقل کیا جائے جو اس پر سالوں سے کاشت کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ حکومت تمام زرعی قرضے معاف کرے۔ بھارت میں 260 ملین کے قریب کسان اور کسان مزدور آباد ہیں اور ملک کی تقریبا آدھی آبادی دیہات میں رہتی ہے لیکن بھارت کی مجموعی قومی پیداوار میں زراعت کا حصہ 17 فیصد ہے۔ مہاراشٹرا بھارت کی ایک اہم زرعی ریاست ہے جہاں حالیہ سالوں میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے فصلیں متاثر ہوئی ہیں۔ 2017 میں مہاراشٹرا میں 2,500 کسانوں نے خودکشی کی تھی۔ (بزنس ریکارڈر، 13 مارچ، صفحہ 9)

مونسانٹو: جین ایڈیٹنگ ٹیکنالوجی کے لیے سرمایہ کاری

ایک خبر کے مطابق بین الاقوامی بیج کمپنی مونسانٹو ایک نئی امریکی کمپنی پیئر وائس پلانٹس (Pairwise Plants) میں سرمایہ کاری کرے گی جس کے تحت جینیاتی ملاپ (جنیٹک موڈیفکیشن) کے بجائے جینیاتی رد و بدل (جین ایڈیٹنگ) کی تکنیک استعمال کرکے فصلیں تیار کی جائیں گی۔ جینیاتی ردو بدل کے ذریعے غیر جینیاتی اشیاء تیار کی جاسکتی ہیں جن میں کسی اورنسل کا جینیاتی مواد شامل نہیں کیا جاتا جبکہ جینیاتی فصلوں میں کسی اور زندہ شے کا جینیاتی مواد شامل کیا جاتا ہے۔ جینیاتی ردو بدل کے ذریعے سائنسدان بہتر طریقے سے اور بہت تیزی کے ساتھ جینیاتی مواد میں ردو بدل کرسکیں گے اور تبدیل شدہ (altered) سستے زرعی مواد بہت جلدی منڈی تک پہنچ جائیں گے۔ اس اشتراک سے زرعی سائنسدانوں اور کمپنیوں کے درمیان جینیاتی رد و بدل کے ذریعے نئے فصلوں کو تیار کرنے کے حوالے سے مقابلے کی فضا قائم ہوگی۔

مونسانٹو کے نائب صدر ٹوم آدم کے مطابق مونسانٹو اگلے پانچ سالوں میں پیئر وائس کمپنی میں اس ٹیکنالوجی میں تحقیق کے لیے 100 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کرے گا۔ مونسانٹو کے چیف ٹیکنالوجی آفیسر روب فریلے کے مطابق یہ اشتراک اس ٹیکنالوجی کی بڑھوتری میں مددگار ثابت ہوگا۔ اس ٹیکنالوجی میں گندم، کپاس، کنولہ، مکئی اور سویابین پر تحقیق کی جائے گی۔ (بزنس ریکارڈر، 25 مارچ، صفحہ 5)

تبصرہ

پاکستانی دیہی معاشرے کا عمومی جائزہ لیں تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ بنیادی انسانی سہولیات صحت، تعلیم، روزگار سے محروم اور بھوک کی شکار یہ آبادیاں صدیوں پرانے دور میں جی رہی ہیں۔ مگر جدید آلات اور ٹیکنالوجی کے ذریعہ انہی آبادیوں کو کسی قسم کی بھی مراعات نہ دینا، اپنے شعبے میں ماہر کسان آبادیوں کو مونسانٹو کے ذریعے مرغبانی کی تربیت دینا یا مونسانٹو کا ہی ''فارمر امبیسیڈر پروگرام''، اضافی پیداوار کے نام پر گندم کو ملک سے باہر بیچنا چاہے تھر میں بچے بھوک سے مر ہی کیوں نہ جائیں اس ملک کے کسان مزدور محنت کش عوام کے ساتھ ایک سنگین مزاق ہے۔ دوسری طرف آج سرکار کو یہ فکر لاحق ہوئی ہے کہ کس طرح مقامی بیج کی پیداوار کی حوصلہ افزائی کی جائے؟ جب اپنے ہی ہاتھ سے ہمارے خطے کی ہزاروں سال پرانی انمول بیجوں کو بیدردی سے سرکار کی سامراجی پالیسی سازی کے ہاتھوں ختم کردیا گیا تو اب کہاں سے بیج کے مقامی پیداوار کا خیال آیا؟

حکمرانوں کے لیے شرم کا مقام ہے کہ وہ کس منہ سے پاکستانی مزدور کسان طبقے کے مزید استحصال کے لیے خصوصی اقتصادی زون، ''اسمارٹ ایگریکلچر پروگرام جیسی پالیسیاں اور منصوبے تشکیل دے رہی ہیں جبکہ یونیسیف کے مطابق پاکستان میں نومولود بچوں کی شرح اموات دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔

نام نہاد جدید علم اور ٹیکنالوجی کے اس دور تاریکی میں گھری قوم کے لیے مونسانٹو کے جین میں ردو بدل منصوبے کے لیے خطیر سرمایہ کاری بھی عالمی سامراج کی بے حسی کی ایک واضح مثال ہے۔

... شرم تم کو مگر نہیں آتی ...